بانی

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

- اثبات عذاب القبر
- انوار السنن فی تحقیق آثار السنن
- پردے کے تین اوقات میں......
- حفاظتِ حدیث کا وعدہ الٰہی
- افضل اعمال......نماز، والدین سے حسن سلوک اور جہاد

مستقل سلسلے > ٥ احسن الحدیث ٥ فقہ الحدیث ٥ توضیح الاحکام

محدث العصر

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی یاد میں

اب کون کرے گا اشاعت حدیث کی
ہے کس کے دل میں اتنی محبت حدیث کی

لطف اس کا کس زبان سے سن کر اٹھائیں گے
قرآن کا یہ مزا ہے یہ لذت حدیث کی

لغو و رفث سے ان کی زبان آشنا نہ تھی
کہتے جو بات تو آیت، حدیث کی

بے مایۂ حدیث ہوئے کیسے مایہ دار
کیسی لٹی دھڑلے سے دولت حدیث کی

دن رات، صبح و شام یہی مشغلہ رہا
حق تو یہ ہے کہ خوب کی خدمت حدیث کی

اب قدر دان کہاں کوئی اہل حدیث کا
سمجھے ہوئے تھے کچھ وہ ہی وقعت حدیث کی

کیسا محدث آہ زمانے سے اٹھ گیا
حالت ہے آج قابل رقت حدیث کی

انتخاب: وکیل ولی قاضی۔ حیدرآباد سندھ
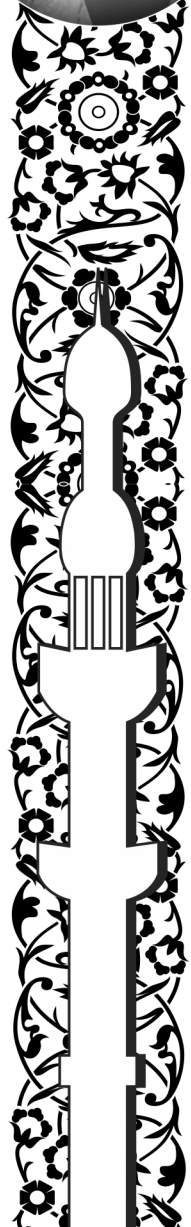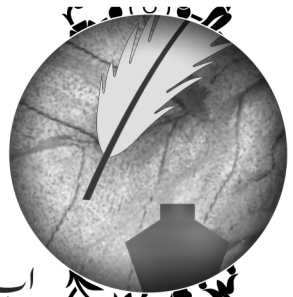
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

125

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

ماہنامہ

اشاعۃ الحدیث

حضرو

جلد: 12 ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ جنوری ۲۰۱۵ء شمارہ: 1

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ 40 روپے

سالانہ 500 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط و کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد الاثری 0300-5288783 مقامِ اشاعت مکتبۃ الحدیث حضرو - ضلع اٹک

تفسیر سورۂ مائدہ (آیت:۱۷۔۱۸)

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ٞ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾

''یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا: بلاشبہ اللہ مسیح ابن مریم ہی تو ہے۔ آپ کہہ دیں: پھر کون اللہ سے کسی چیز کا مالک ہے کہ اگر وہ ارادہ کرے مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور زمین میں جو لوگ ہیں سب کو ہلاک کر دے اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اور یہود و نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ کہہ دیں: پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی وجہ سے سزا کیوں دیتا ہے، بلکہ تم اس (مخلوق) میں سے ایک بشر ہو جو اس نے پیدا کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (۵/ المائدۃ : ۱۷۔۱۸)

فقہ القرآن:

- ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ سابقہ آیت (۱۳) میں گزر چکا ہے کہ اہل کتاب نے اپنے دین میں ردّ و بدل کا ارتکاب کیا اور یہ اسی تحریف کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے سیّدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو اللہ قرار دیا، حالانکہ اللہ رب العزت ہر قسم کے شرک سے پاک ہے، تمام چیزیں اس کی محکوم ہیں اور ہر چیز اس کی

ملکیت ہے۔ زیر نظر آیت میں ان کے اسی عمل کی وجہ سے ان کو کافر کہا گیا ہے۔

- ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اس دعویٰ کا جواب کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہی اللہ ہیں یوں دیا کہ اللہ کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا کہ اگر وہ چاہے تو مسیح ابن مریم کو، اس کی ماں کو اور تمام اہل زمین کو ہلاک کر دے، یعنی جو اپنے آپ کو ہلاکت سے نہ بچا سکے وہ کیونکر اللہ ہو سکتا ہے؟ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (اس بارے میں) آگاہ کیا کہ اگر مسیح (علیہ السلام) الٰہ ہوتے تو وہ اس چیز کو دور کرنے پر قادر ہوتے جو ان پر آتی یا کسی دوسرے پر! بلاشبہ ان کی والدہ کو موت نے آلیا اور وہ اپنی والدہ کو موت سے نہ بچا سکے۔ اگر اسی طرح خود ان کو بھی موت آجاتی تو اسے کون روک سکتا تھا؟

(الجامع لأحکام القرآن ۷/ ۳۸۷)

خود عیسائیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے: ''مسیح نے (جسے یہ خدا کہتے ہیں) سولی پر لٹکے ہوئے نہایت عاجزی سے خدا کے آگے التجائیں کیں اور بڑے زور سے چلا کر جان دی۔'' (انجیل مرتس ۱۵ باب ۳۸ آیت، بحوالہ تفسیر ثنائی ۱/ ۳۵۲) اور یہ ان کے دعوئ الوہیت کے بطلان کی دلیل ہے کیونکہ سولی پر لٹکنا، عاجزی سے التجائیں کرنا اور زور سے چلانا مخلوق کے افعال ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک ہے۔

- ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا﴾ نصاریٰ کے دعوئ الوہیت کی تردید، نیز ان کے لیے لمحہ فکریہ بھی ہے کہ جب زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور وہ ان میں تکوینی و جزائی احکام کے ذریعے سے تصرف کرتا ہے، وہ سب مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تدبیر کرتا ہے تو کیا مملوک اور بندہ محتاج کو لائق ہے کہ وہ الٰہ بن جائے جو ہر لحاظ سے بے نیاز ہو؟ یہ سب سے بڑا محال ہے۔

- ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ اور جس کو جیسے چاہتا ہے بناتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو اس نے ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا تو عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دینا اس کے لیے کیا

مشکل تھا۔ محض باپ کے بغیر پیدا ہونے سے کوئی بندہ خدا نہیں بن جاتا۔ (اشرف الحواشی ص ۱۳۳) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نصاریٰ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی الوہیت کا دعویٰ بغیر کسی برہان کے ہے اور محض خواہش نفس کی پیروی ہے۔

- ﴿وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اللہ رب العزت اپنی قدرت کی بابت آگاہ فرما رہے ہیں کہ جو باتیں اوپر مذکور ہیں، اللہ انھیں کرنے پر قادر ہے بلکہ ہر چیز پر اللہ قادر ہے۔

- ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کی تردید کے متصل بعد یہودیوں کے باطل عقیدے: ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں'' کا رد بہترین اسلوب میں کیا جا رہا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو، پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی پاداش میں عذاب کیوں دیتا ہے؟ جبکہ اللہ اپنے پیاروں کو عذاب نہیں دیتا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَلَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُلْقِي حَبِيبَهُ فِي النَّارِ)) ''اور اللہ عزوجل اپنے پیارے بندوں کو (جہنم کی) آگ میں نہیں ڈالے گا۔'' (مسند احمد ۳/ ۱۰۴ ح ۱۲۰۱۸ وسنده صحيح، حميد عن أنس محمول على السماع) یہود اپنے آپ کو دوسروں سے فائق سمجھتے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ ہمارے اسلاف کی وجہ سے ہمیں عذاب نہیں ہوگا اور اگر ہوا بھی تو گنتی کے چند دن بس! (البقرة : ۸۰) قرآن نے ان کی تردید فرمائی کہ تم اس مخلوق میں سے محض ایک بشر ہو جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، پھر تم میں ایسی کون سی خصوصیت ہے کہ اپنے آپ کو اس کے بیٹے اور چہیتے کہتے ہو۔

- ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ یہ اللہ رب العزت کا قانون ہے کہ جو گناہ کا ارتکاب کرے گا اسے سزا ملے گی اور جو ایمان و عمل والی زندگی گزارے گا اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا، چنانچہ جو مغفرت یا عذاب کے اسباب لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ ان اسباب کے مطابق انھیں بخش دیتا ہے یا

عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے، لہٰذا یہود کے چہیتے ہونے کا محض دعویٰ ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جسے اس کے عمل نے پیچھے ڈال دیا، اُسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکے گا۔“ (صحیح مسلم : ۲۶۹۹/ ۶۸۵۳)

- ﴿وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ یہودیوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ بالآخر تمھیں اس کی عدالت میں پیش ہونا ہے، پھر تمھاری جو بھی سزا ہوگی تمھیں مل کر رہے گی، لہٰذا تم اپنی بداعمالیوں سے باز آ جاؤ۔

(محمد وقاص)

بیوی پر خاوند کے حقوق

سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: میری اس بیٹی نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی بیٹی سے فرمایا: ”اپنے باپ کی اطاعت کر۔“ تو اس لڑکی نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک ایسا نہیں کروں گی جب تک آپ مجھے اس بات سے آگاہ نہ فرما دیں کہ ایک خاوند کا اپنی بیوی پر کیا حق ہوتا ہے؟ اس لڑکی نے اپنی بات دوبارہ دہرائی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”خاوند کا حق اپنی بیوی پر ایسا ہے کہ اگر اس کے بدن پر کوئی زخم ہو اور اس کی بیوی اس کو چاٹ لے یا اس کے ناک سے پیپ یا خون بہہ رہا ہو اور اس کی بیوی اس کو چاٹ لے تو پھر بھی اس عورت نے اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کیا۔“ یہ سن کر اس لڑکی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے! میں اب کبھی شادی نہیں کروں گی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُنْكِحُوْهُنَّ إِلَّا بِإِذْنِهِنَّ)) ”ان کے نکاح ان کی مرضی کے بغیر مت کرو۔“

(صحیح ابن حبان : ٤١٦٤ ، مصنف ابن ابی شیبة: ١٧١٢٢ واللفظ له)

اضواء المصابیح

فقه الحديث

الفصل الثانی

٥٠١: عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ ، قَالَتْ: كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، فِي حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ . فَقُلْتُ: الْبَسْ ثَوْبًا ، وَ اعْطِنِي إِزَارَكَ حَتَّى أَغْسِلَهُ ، قَالَ: ((**اِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى، وَ يُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ**)). رَوَاهُ اَحْمَدُ ، وَاَبُوْدَاوٗدَ ، وَابْنُ مَاجَه .

سیّدہ لبابہ بنت حارث (رضی اللہ عنہا) کا بیان ہے، حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) رسول اللہ ﷺ کی گود میں تھے کہ انھوں نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ میں نے عرض کیا: آپ کوئی دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا ازار مجھے دے دیں تاکہ میں اسے دھودوں۔ آپ نے فرمایا: ''صرف لڑکی کے پیشاب کی وجہ سے (کپڑا) دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب کی وجہ سے (کپڑے پر) پانی چھڑک دیا جاتا ہے۔'' اسے احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحيح .

تخریج: مسند احمد ٦/ ٣٣٩ ، ٣٤٠ ح ٢٧٤١٦ ، سنن ابی داود : ٣٧٥ ، سنن ابن ماجه : ٥٢٢ ، اسے ابن خزیمہ (٢٨٢) حاکم (١/ ١٦٦) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

1. سیدہ لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، ام الفضل کی کنیت سے مشہور ہیں۔ آپ نبی کریم ﷺ کے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں اور فضل وعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ دیکھئے الاصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر (٨/ ٩٧ ونسخة أخرى ١٤/ ١٦٩)

2 رسول اللہ ﷺ اپنے نواسوں سمیت تمام بچوں سے بہت زیادہ محبت و شفقت فرماتے تھے۔

3 اس حدیث سے متعلق تفصیلی فوائد کے لیے دیکھئے شرح حدیث سابق: ۴۹۷

۵۰۲: وَفِی رِوَایَةٍ لِّاَبِی دَاوٗدَ، وَالنَّسَائِيُّ، عَنْ اَبِی السَّمْحِ، قَالَ: ((**يُغْسِلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ، وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ**))

ابوداود اور نسائی کی ایک روایت میں، ابوالسمح (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بچی کے پیشاب کی وجہ سے (کپڑا) دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب کی وجہ سے (کپڑے پر) پانی چھڑک دیا جاتا ہے۔''

تحقیق الحدیث: إسناده صحيح.

تخریج: سنن ابی داود: ۳۷۶، سنن النسائی ۱/ ۱۵۸ ح ۳۰۵، سنن ابن ماجه: ۵۶۲، اسے ابن خزیمہ (۲۸۳) حاکم (۱/ ۱۶۶) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

فقہ الحدیث:

1 یہ دونوں حدیثیں دلیل ہیں کہ بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق ہے اور دونوں کے پیشاب سے آلودہ کپڑے وغیرہ پاک کرنے کا طریقہ بھی جدا جدا ہے۔

2 بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے سے یہ سمجھ لینا کہ اس کا پیشاب پاک ہے، بالکل غلط اور مردود ہے کیونکہ بچے کا پیشاب بھی نجس ہے، البتہ یہ نجاستِ خفیفہ ہے جس کا ازالہ محض پانی چھڑکنے سے ہو جاتا ہے۔

۵۰۳: وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((**اِذَا وَطِئَ اَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰى، فَاِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُوْرٌ**)) . رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ، وَلِابْنِ مَاجه مَعْنَاهُ.

سیدنا ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے نجاست کو روند (کر گزر) جائے تو مٹی اسے پاک کرنے والی ہے۔'' اسے

ابوداود نے روایت کیا اور ابن ماجہ میں اس کے ہم معنی (حدیث) ہے۔

تحقیق الحدیث: سنده ضعيف .

تخریج: سنن ابی داود : ٣٨٥ ، اس کی سند منقطع ہے (اوزاعی نے سعید المبقری سے نہیں سنا) سنن ابن ماجه : ٥٣٢ ، اس کی سند میں ابن ابی حبیبہ ضعیف اور ابراہیم بن اسماعیل الیشکری مجہول ہے۔ اسے حاکم (١/ ١٦٦ ح ٥٩٠) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا، لیکن اس کی سند میں محمد بن کثیر المصیصی ضعیف اور محمد بن عجلان مدلس کا عنعنہ ہے، نیز حدیث (٥٠٤) اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

فائدہ:

یہ روایت ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں، البتہ اس کے برعکس صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے (پہلے اپنے جوتوں کو اچھی طرح) دیکھ لینا چاہیے۔ اگر وہ اپنے جوتوں میں گندگی یا نجاست دیکھے تو اسے پونچھ ڈالے، پھر ان میں نماز پڑھ لے۔“ (سنن ابی داود : ٦٥٠ وسنده صحيح)

پونچھنے سے مراد زمین پر رگڑنا ہے، چنانچہ علامہ شرف الدین الطیبی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب جوتے کو نجاست لگ جائے تو اسے زمین کے ساتھ رگڑ لے حتیٰ کہ اس (نجاست) کا اثر زائل ہو جائے (پھر) وہ پاک ہے، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ (الكاشف عن حقائق السنن ٢/ ١٣٦) نیز دیکھئے الاوسط لابن المنذر (٢/ ٢٩١) وغیرہ۔

٥٠٤: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ، قَالَتْ لَهَا امْرَأَةٌ: إِنِّيْ أُطِيْلُ ذَيْلِيْ ، وَأَمْشِيْ فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: **((يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ))** . رَوَاهُ مَالِكٌ ، وَأَحْمَدُ ، وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَأَبُوْدَاوُدَ ، وَالدَّارِمِيُّ وَ قَالَا: الْمَرْأَةُ أُمُّ وَلَدٍ لِّإِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ .

سیدہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ ان سے ایک عورت نے کہا: میں اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں اور میرا گزر ناپاک جگہ سے (بھی) ہوتا ہے۔ (ایسی صورت میں کپڑوں سے متعلق کیا

حکم ہے؟) انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعد والی جگہ اسے پاک کر دیتی ہے۔'' اسے مالک، احمد، ترمذی، ابوداود اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ (آخر الذکر) دونوں نے کہا: عورت (جس نے سوال کیا تھا وہ) ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد تھی۔

تحقیق الحدیث: حسن .

تخریج: موطأ امام مالك ١/ ٢٤ح ٤٤، احمد ٦/ ٢٩٠ ح ٢٧٠٢١، سنن الترمذی : ١٤٣، سنن ابی داود : ٣٨٣، سنن الدارمی ١/ ١٩١ ح ٧٤٨، سنن ابن ماجه : ٥٣١، وصححه ابن الجارود (١٤٢) وللحديث شواهد .

فقہ الحدیث:

1. قرون اولیٰ میں عورتیں اپنے کپڑوں کے دامن اتنے لمبے رکھتیں کہ وہ زمین پر گھسٹ جاتے تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کو مکمل باپردہ رہنا چاہیے۔
2. راہ چلتے جو تھوڑی بہت گندگی کپڑوں کو لگ جاتی ہے، بعد والی کسی صاف جگہ پہ چلنا ان کی پاکی کا ذریعہ ہے، تاہم اگر نجاست زیادہ ہونے کی وجہ سے زائل نہ ہو تو اسے دھو لینا چاہیے۔
3. اگر کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے۔
4. اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ سائل کو دلیل سے مطمئن کریں، جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بطور دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان پیش کیا تھا۔

٥٠٥: وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ كَرِبَ ، قَالَ : نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ ، وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا . رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالنَّسَائِيُّ .

سیدنا مقدام بن معدی کرب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھال پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔ اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن .

تخریج: سنن ابی داود : ٤١٣١ ، سنن النسائی : ٧/ ١٧٦ ، ١٧٧ ح ٤٢٦٠ .

فقہ الحدیث:

1. یہ حدیث دلیل ہے کہ حرام جانور کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوگا۔ دیگر احادیث کے ورود سے بھی یہی واضح ہے کہ صرف حلال جانور کا چمڑا دباغت سے پاک ہوتا ہے۔
2. درندوں کی کھال سے جائے نماز، قالین، مشکیزہ اور جوتے وغیرہ بنا کر استعمال کرنا حرام ہے۔
3. درندوں پر سوار ہونا ممنوع ہے، کیونکہ یہ جبابرہ کا وصف اور تکبر کا باعث ہے۔
4. امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بایں الفاظ باب قائم کیا ہے: "اَلنَّهْيُ عَنِ الْاِنْتِفَاعِ بِجُلُوْدِ السِّبَاعِ" یعنی درندوں کے چمڑے سے فائدہ اٹھانا ممنوع ہے۔

٥٠٦: وَعَنْ اَبِی الْمَلِيحِ بْنِ اُسَامَةَ ، عَنْ اَبِيْهِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ . رَوَاهُ اَحْمَدُ ، وَاَبُوْدَاوُدَ ، وَالنَّسَائِيُّ ، وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ ، وَالدَّارِمِيُّ ، اَنْ تُفْتَرَشَ .

ابوالملیح بن اسامہ اپنے والد محترم (سیدنا اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے درندوں کے چمڑے (استعمال کرنے) سے منع فرمایا ہے۔ اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا اور ترمذی و دارمی نے یہ زائد بیان کیا ہے: یہ کہ (انھیں بیٹھنے یا لیٹنے کے لیے) بچھایا جائے۔

تحقیق الحدیث: حسن .

تخریج: مسند احمد ٥/ ٧٤ ، ٧٥ ح ٢٠٩٨٢ ، سنن أبی داود : ٤١٣٢ ، سنن النسائی : ٧/ ١٧٦ ح ٤٢٥٨ ، سنن الترمذی : ١٧٧٠ ، ١٧٧١ ، سنن الدارمی ٢/ ٨٥ ح ١٩٨٩ .

فقه الحدیث: دیکھئے شرح حدیث سابق: ۵۰۵۔

۵۰۷: وَعَنْ اَبِی الْمَلِیحِ : اَنَّهُ كَرِهَ ثَمَنَ جُلُوْدِ السِّبَاعِ . رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ .

ابوالملیح (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے درندوں کے چمڑے کی قیمت (ان کی خرید وفروخت) کو ناپسند فرمایا ہے۔ اسے ترمذی نے بایں الفاظ کہ آپ نے درندوں کے چمڑے کو ناپسند کیا، روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن .

تخریج: سنن الترمذی : ۱۷۷۰ ، نیز دیکھئے حدیث سابق: ۵۰۶.

فقہ الحدیث:

1. اس روایت سے معلوم ہوا کہ جہاں درندوں کی کھال استعمال کرنا ممنوع ہے وہاں ان کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہے۔

۵۰۸: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ ، قَالَ : اَتَانَا كِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اَنْ لَّا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ، وَّ لَا عَصَبٍ)). رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ ، وَاَبُوْدَاوُدَ ، وَالنَّسَائِیُّ ، وَابْنُ مَاجَهْ .

عبداللہ بن عکیم (رحمہ اللہ) نے فرمایا: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا (جس میں لکھا ہوا تھا کہ) ''تم مردار کے چمڑے اور (اس کے) پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔'' اسے ترمذی، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن .

تخریج: سنن الترمذی : ۱۷۲۹ ، وقال : "هذا حديث حسن......" سنن أبی داود : ۴۱۲۷ ، ۴۱۲۸ ، سنن النسائی: ۷/ ۱۷۵ ح ۴۲۵۵ ، سنن ابن ماجه : ۲۶۱۳۔ وأعل بما لا یقدح .

فقہ الحدیث:

1. عبداللہ بن عکیم مخضرم ہیں، یعنی ان کی ولادت عہد نبوت میں ہوئی لیکن رسول

اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔

2 عبد اللہ بن عکیم کی یہ روایت بالکل درست ہے، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے براہ راست روایت نہیں کر رہے بلکہ آپ ﷺ کے تحریر کرائے گئے خط سے بیان کر رہے ہیں، چنانچہ یہ خود کہتے ہیں: میں اس وقت نوجوان لڑکا تھا جب ہمیں رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا گیا کہ ''تم مردار کے چمڑے اور (اس کے) پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔'' (سنن النسائی : ٤٢٥٤ وھو حسن)

3 عبد اللہ بن عکیم ثقہ مخضرم ہیں جو آپ ﷺ کے خط کی تصدیق فرما رہے ہیں اور اصول حدیث میں کتاب سے روایت صحیح متصور ہوتی ہے۔

4 یہ حدیث بظاہر سابقہ احادیث کے متعارض معلوم ہوتی ہے لیکن ان میں تطبیق ممکن ہے جس سے تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ حدیث میں مذکور ممانعت دباغت سے پہلے پر محمول ہے، یعنی بغیر دباغت کے چمڑے سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، البتہ دباغت کے بعد فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ دیکھئے الأوسط من السنن والاجماع والإختلاف لابن المنذر (٢/ ٣٩٦) وغیرہ۔

٥٠٩: وَعَنْ عَائِشَةَ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ اَنْ يُّسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ . رَوَاهُ مَالِكٌ ، وَ اَبُوْدَاوُدَ .

سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے دباغت کے بعد مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا۔ اسے مالک اور ابو داود نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن .

تخریج: موطأ امام مالك ٢/ ٤٩٨ ح ١١٠١ ، سنن أبی داود : ٤١٢٤ ، سنن النسائی ٧/ ١٧٦ ح ٤٢٥٧ ، سنن ابن ماجه : ٣٦١٢ .

فقہ الحدیث:

1 یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ مردار کا چمڑا جب رنگ لیا جائے تو اس سے فائدہ اٹھانا

بالکل جائز و درست ہے۔

٥١٠: وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ ، قَالَتْ: مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ رِجَالٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يَجُرُّوْنَ شَاةً لَهُمْ مِّثْلَ الْحِمَارِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((**لَوْ اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا**)) . قَالُوْا: اِنَّهَا مَيْتَةٌ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((**يُطَهِّرُهَا الْمَآءُ وَالْقَرَظُ**)) . رَوَاهُ اَحْمَدُ، وَاَبُوْدَاوُدَ .

سیدہ میمونہ (رضی اللہ عنہا) کا بیان ہے، نبی کریم ﷺ کے پاس سے قریش کے کچھ لوگ گزرے، وہ اپنی ایک مری ہوئی بکری کو گدھے کی طرح گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر تم اس کا چمڑا اتار لیتے (تو یہ بہتر ہوتا)۔'' انھوں نے عرض کیا: یہ تو مردار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پانی اور کیکر کا چھلکا پاک کر دیتا ہے۔'' اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اسناده حسن .

تخریج: مسند احمد ٦/ ٣٣٤ ح ٢٧٣٧٠ ، سنن أبی داود : ٤١٢٦ ، سنن النسائی : ٧/ ١٧٤ ح ٤٢٥٣ ، اسے ابن الملقن نے (تحفة المحتاج : ١٣١ میں) حسن قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

1. یہ حدیث دلیل ہے کہ صرف حلال جانوروں کے چمڑے رنگنے سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا بکری کو گدھے کے گھسیٹنے سے تشبیہ دینا اس بات کی علامت ہے کہ عہد نبوت میں عموماً مردار گدھے کو گھسیٹ کر پھینکا جاتا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے یا آپ کے صحابہ نے کبھی اس کا چمڑا اتارنے کا حکم نہیں دیا، اس کے برعکس بکری جو حلال جانور ہے اس کا چمڑا اتارنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا بھی حکم فرمایا ہے۔
2. کیکر کے چھلکے اور پانی کے ذریعے سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔

٥١١: وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ ، قَالَ : إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَآءَ فِي

غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَلٰى أَهْلِ بَيْتٍ ، فَإِذَا قِرْبَةٌ مُّعَلَّقَةٌ ، فَسَأَلَ الْمَآءَ . فَقَالُوْا لَهُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنَّهَا مَيْتَةٌ . فَقَالَ : ((دِبَاغُهَا طُهُوْرُهَا)) . رَوَاهُ اَحْمَدُ ، وَأَبُوْدَاوٗدَ .

سیدنا سلمہ بن محبق (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے، رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک (کے سفر) میں ایک اہل خانہ کے پاس تشریف لائے تو ان کے ہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، چنانچہ آپ نے (ان سے) پانی طلب کیا۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو مردار (کے چمڑے سے بنا ہوا مشکیزہ) ہے۔ آپ نے فرمایا: ’’اس کا رنگ دینا (ہی) اس کی پاکیزگی ہے۔‘‘ اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: سنده ضعيف .

تخريج: مسند احمد ٣/ ٤٧٦ ح ١٦٠٠٣ ، سنن أبی داود : ٤١٢٥ ، سنن النسائی : ٧/ ١٧٣ ح ٤٢٤٨ ، اسے حاکم (٤/ ١٤١) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا، جبکہ حسن بصری مدلس ہیں اور سماع کی صراحت نہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

الفصل الثالث

٥١٢: عَنِ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِی عَبْدِ الْأَشْهَلِ ، قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِنَّ لَنَا طَرِيْقًا اِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً ، فَكَيْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا ؟ فَقَالَ : ((اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ هِیَ اَطْيَبُ مِنْهَا؟)) قُلْتُ: بَلٰى . قَالَ : ((فَهٰذِهِ بِهٰذِهِ)) . رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ .

قبیلہ بنو عبدالاشہل کی ایک خاتون سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بلاشبہ ہمارا مسجد کی طرف آنے والا راستہ بڑا گندہ ہے، لہٰذا جب بارش ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ’’کیا اس کے بعد کوئی راستہ نہیں، جو اس سے زیادہ پاک صاف ہو؟‘‘ میں نے کہا: کیوں نہیں (بالکل ہے)۔ آپ نے فرمایا: ’’یہ اس کے بدلے میں ہے، یعنی بعد والا راستہ اس گندے راستے کی تلافی کر دے گا۔‘‘ اسے ابوداود نے

روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: إسناده صحيح .

تخریج: سنن ابی داود : ٣٨٤ ، سنن ابن ماجه : ٥٣٣ .

فقہ الحدیث: اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھئے شرح حدیث سابق:۵۰۴۔

٥١٣: وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ، قَالَ : كُنَّا نُصَلِّىْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ لاَ نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِئِ . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

سیدنا عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور گندے راستے پر چلنے کی وجہ سے ہم (نیا) وضو نہیں کرتے تھے۔

تحقیق الحدیث: سنده ضعيف .

تخریج: سنن الترمذی بعد الحدیث : ١٤٣ (تعليقاً) ، سنن أبی داود : ٢٠٤ ، اسے حاکم (١/ ١٣٩) نے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ اعمش مدلس ہیں اور سماع کی صراحت نہیں، نیز اعمش کے شک کی وجہ سے بھی سند معلل ہے۔

٥١٤: وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ : كَانَتِ الْكِلاَبُ تُقْبِلُ وَ تُدْبِرُ فِى الْمَسْجِدِ فِىْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

(سیدنا عبداللہ) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ عہدِ رسول اللہ ﷺ میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے۔ وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اس پر کوئی پانی نہ چھڑکتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحيح البخاری : ١٧٤ ، سنن ابی داود : ٣٨٢ .

فقہ الحدیث: اس حدیث کے فوائد اور اس موضوع کی مناسبت سے بحث کے لیے دیکھئے شرح حدیث سابق:۴۹۱۔

٥١٥: وَ عَنِ الْبَرَاءِ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((**لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ**

لَحْمُهُ)).

سیدنا براء (بن عازب رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب سے کوئی حرج نہیں۔''

تحقیق الحدیث: اسناده ضعيف جداً.

تخریج: سنن الدارقطنی ۱/ ۱۲۸، مصعب بن سوار جو کہ سوار بن مصعب ہے، سخت ضعیف اور متروک ہے۔

۵۱۶: وَفِي رِوَايَةِ جَابِرٍ، قَالَ: ((**مَا أُكِلَ لَحْمُهُ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهِ**)). رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

اور سیدنا جابر (رضی اللہ عنہ) کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب سے کوئی حرج نہیں۔'' اسے احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: موضوع.

تخریج: سنن الدارقطنی ۱/ ۱۲۸، مسند احمد میں یہ روایت نہیں ملی، یحییٰ بن العلاء متہم و متروک اور عمرو بن حصین متروک ہے۔

فائدہ:...... یہ دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، لیکن حدیثِ صحیح بخاری (۲۳۳) و صحیح مسلم (۱۶۷۱/۹) کی رو سے جمہور محدثین و علماء کرام ان جانوروں کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں سمجھتے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: اکثر اہلِ علم کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔ (سنن الترمذی تحت الحديث: ۷۲، نیز دیکھئے صحیح ابن خزیمہ قبل الحديث: ۱۱۰، الاوسط لابن المنذر ۲/ ۱۹۹، صحیح ابن حبان ٤/ ۲۲٦، طبع الرسالة - وغيره)

حافظ ندیم ظہیر

توضیح الأحکام

سوال و جواب — تخریج الاحادیث

ادائیگی قرض کی دعا

سوال: ......محترم حافظ صاحب! ادائیگی قرض کے بارے میں جو حدیث: "اللھم اکفنی بحلالك عن حرامك واغنني بفضلك عمن سواك" ہے اسے آپ کے استاذ حافظ زبیر علی رحمہ اللہ نے اور آپ نے بھی حصن المسلم کی تحقیق میں حسن کہا ہے، مجھے ایک عالم نے بتایا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ صحیح صورت حال کیا ہے؟ رہنمائی فرمادیں۔ جَزاكَ الله خيرًا۔ (محمد اکرم چوہدری، سرگودھا)

جواب: ......آپ کی مطلوبہ روایت سنن الترمذی (٣٥٦٣)، مسند احمد (١/ ١٥٣ ح ١٣١٩)، مسند البزار (البحر الزخار ٢/ ١٨٥ ح ٥٦٣) المستدرك للحاكم (١/ ٥٣٨)، المختاره للمقدسی (٤٨٩)، كتاب الدعاء للطبرانی (١٠٤٢)، الدعوات الكبير للبيهقی (٣٠٣) وغیرہ میں منقول ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایت ہمارے استاذ محترم رحمہ اللہ کے نزدیک حسن تھی، نیز راقم الحروف نے بھی اسے "وسندہ حسن" ہی لکھا ہے، جیسا کہ حصن المسلم میں مذکور ہے۔ آپ کے سوال کے بعد میں نے ازسرنو تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنی نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی ہے جو مشہور ضعیف ہے۔ سنن الترمذی میں اس کی سند درج ذیل ہے:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيٰى بْنُ حَسَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ سَيَّارٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَلِيٍّ"

''ابومعاویہ الضریر محمد بن حازم ہیں اور ان کے اساتذہ میں عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی ہی

ہے، اسی طرح ابن اسحاق الکوفی کے استادوں میں سیار بن ابی الحکم کا نام ملتا ہے، جبکہ ابن اسحاق المدنی کے شاگردوں اور اساتذہ میں ابومعاویہ الضریر اور سیار بن ابی الحکم کا تذکرہ نہیں، جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ عبدالرحمٰن الکوفی الواسطی ہے جو جمہور کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے، لہٰذا اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں۔

میرے استاذ محترم رحمہ اللہ سے اور مجھ سے بھی ایک انسان ہونے کے ناطے یہ سہو ہوا، اللہ ہم پر رحم فرمائے، اور کوئی انسان سہو سے محفوظ نہیں ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ جب اپنی غلطی وسہو کا علم ہوجائے تو فوراً حق کی طرف رجوع کیا جائے، چنانچہ راقم الحروف کے نزدیک اب مذکورہ روایت ضعیف ہی ہے۔ اس روایت کا ایک شاہد امالی ابن بشران (۵٦۵) میں ہے، لیکن وہ محمد بن زکریا الغلانی اور ابوالحسین عبدالباقی بن قانع دو ضعیف راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا اس سے بھی استدلال درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(محمد وقاص)

نماز میں رکوع وسجود کی طوالت اور گناہوں کا جھڑنا

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بہت ہی لمبی نماز پڑھ رہا تھا تو انھوں نے پوچھا کہ تم میں سے کون اس نوجوان کو پہچانتا ہے؟ ایک شخص بولا: میں اس کو جانتا ہوں تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں اس شخص کو جانتا تو ضرور اس کو کثرت کے ساتھ رکوع وسجود کا حکم دیتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے تمام گناہ اس کے کندھوں پر لاکر ڈال دیے جاتے ہیں، پھر جب وہ رکوع کرتا ہے یا سجدہ کرتا ہے تو اس کے گناہ اس کے کندھوں سے گرتے رہتے ہیں۔'' (تعظیم قدر الصلاۃ لمحمد بن نصر المروزی: ۲۹۳، مسند الشامیین للطبرانی: ۴۹۳)

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
ترجمہ: حافظ فرحان الٰہی

سنت کے سائے میں

افضل ترین اعمال: نماز، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور جہاد فی سبیل اللہ ہیں

امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور رسول اللّٰہ ﷺ و سننه وأیامه" (فتح ۲/ ۹ ح ۵۲۷) میں فرماتے ہیں:

ولید بن عیزار سے روایت ہے کہ میں نے ابوعمرو الشیبانی کو سنا، انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مجھے اس گھر کے مالک نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وقت پر نماز پڑھنا۔" میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "والدین کے ساتھ بھلائی کرنا۔" میں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے نبی کریم ﷺ نے یہی باتیں بیان فرمائیں، اگر میں مزید پوچھتا تو آپ مزید بھی بتادیتے۔

تخریج: صحیح البخاري: (۵۲۷) صحیح مسلم: (۸۵ [۱۳۹])

بخاری و مسلم میں یہ حدیث شعبہ عن ولید کی سند سے ہے، جبکہ بیہقی میں عثمان بن عمرو؛ ثنا مالك بن مغول عن ولید کے طریق سے یہ الفاظ مروی ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اول وقت میں نماز ادا کرنا۔" میں نے کہا: پھر؟ آپ ﷺ نے

فرمایا: ''جہادِ فی سبیل اللہ۔'' میں نے کہا: پھر؟ آپ نے فرمایا: ''والدین سے کے ساتھ بھلائی کرنا۔'' اس کی سند صحیح ہے، امام ابن خزیمہ (۱/۱۶۹ ح ۳۲۷) ابن حبان (موارد: ۲۸۰)، حاکم (۱/۱۸۸) اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

1. امام اہل سنت حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان تین امور کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہی تینوں اعمال باقی تمام معاملات کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص بغیر کسی عذر کے فرض نماز وقت پر ادا نہیں کرتا (باوجودیکہ یہ عمل نہایت آسان اور فضیلت کے اعتبار سے عظیم تر ہے) تو ایسا شخص دیگر اعمال میں بدرجہ اولیٰ کوتاہی کرتا ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے والدین کے ساتھ بھلائی نہیں کرتا، حالانکہ ان کا حق اس پر سب سے زیادہ ہے، تو ایسا شخص دوسروں کے ساتھ نہایت کم بھلائی کرتا ہوگا، اور جو آدمی کفار کے خلاف جہاد نہیں کرتا، باوجودیکہ وہ اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں، تو وہ آدمی دوسرے لوگوں، مثلاً: فساق ومبتدعین کے خلاف جہاد کو زیادہ ترک کرنے والا ہوگا، لہٰذا ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ان تینوں امور کی حفاظت کرتا ہو، وہ ان کے علاوہ دیگر امور کی حفاظت ان سے کہیں بڑھ کر کرے گا، اور جو انہیں ضائع کردے تو وہ دوسرے امور کو بالاَولیٰ ضائع کرتا ہوگا۔''

2. عام ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ جہاد کو تمام بدنی اعمال پر مقدم ہونا چاہیے، کیوں کہ اس میں نفس کی مشقت زیادہ ہے، مگر نمازوں کی حفاظت، انہیں وقت پر ادا کرنے اور والدین کی فرمانبرداری پر قائم رہنے کے لیے جس جہد مسلسل کی ضرورت پڑتی ہے وہ لازمی اور دائمی امر ہے، ان معاملات پر اللہ تعالیٰ کے حکم کا لحاظ کرتے ہوئے وہی لوگ صبر کرسکتے ہیں جو حقیقت میں صدیقین ہوں۔

3. یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کہہ لینے کے بعد سب سے افضل عمل نمازِ پنجگانہ کی وقت پر ادائیگی ہے، وہ آدمی صریح غلطی پر ہے جو نمازوں کو آخری وقت میں ادا کرتا ہے یا نمازیں فوت کر دیتا ہے، اور جو سرے سے نماز پڑھتا ہی نہیں اس کا کیا حال ہوگا؟ ایسے شخص کا اسلام کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دیگر کا کہنا ہے۔

4. یہ حدیث تعظیمِ والدین کی فضیلت اور ان کے سوئے ادب و اہانت کی حرمت پر بھی واضح دلیل ہے، جیسا کہ دورِ حاضر میں امریکا و یورپ میں جدید تہذیب یافتہ اور روشن خیال طبقے کا طرزِ عمل ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

5. یہ حدیث جہاد کی فضیلت پر بھی نمایاں دلیل ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو خود مجاہد تھے، فرمایا کرتے تھے: نماز کے بعد جہاد فی سبیل اللہ سب سے افضل عمل ہے۔

6. اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اعمال ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

7. اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جن میں اس حدیث کے راوی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، کی علم سے محبت، اس کی حفاظت کے لیے اقدام اور اس کے بارے میں سوال کی حرص بھی واضح ہوتی ہے۔

8. اس حدیث میں یہ رہنمائی بھی ہے کہ ایک ہی وقت میں کسی عالم سے مختلف مسائل کے متعلق دریافت کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ عالم کے ساتھ نرمی سے پیش آیا جائے، اور اس کی تھکاوٹ و آرام کا لحاظ کرتے ہوئے کثرتِ سوال سے پرہیز کیا جائے۔

9. اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کا درس بھی ملتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متلاشیانِ حق کی ہر طرح سے راہنمائی فرمایا کرتے تھے، خواہ آپ پر گراں ہی گزرتا ہے۔

⑩ اس حدیث میں ایک فقہی مسئلہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اشارہ بمنزلہ تصریح ہوتا ہے بشرطیکہ مشار الیہ معین ہو اور دوسروں سے ممتاز بھی، جیسا کہ حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔

⑪ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں کئی امور واضح ہیں، مثلاً: نمازوں کی وقت پر ادائیگی اور اس کی حفاظت پر ترغیب وتحریص ہے، اسی طرح اول وقت پر نماز ادا کرنے کا استحباب بھی حاصل ہوتا ہے کیوں کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور نماز کو وقت پر ادا کرنے کی کوشش بھی (اس بات پر بیہقی کی دوسری حدیث بھی دلالت کر رہی ہے۔) نیز ایک ہی سوال کئی مرتبہ پوچھنے کا جواز، معلم یا مفتی کا سائل یا متعلّم کے سوالات پر صبر کرنا، نیز زیادہ سوالات پوچھنے کی اجازت بھی ہے۔ شاگرد کا معلم کے ساتھ نرمی اور لحاظ کا رویہ اختیار کرنا، مصلحت اور شفقت کا پہلو اپنانا بھی ضروری ہے، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میں نے آپ کا خیال کرتے ہوئے مزید سوالات پوچھنے سے گریز کیا۔ (صحیح مسلم) کلمہ ''لو'' (اگر) کا استعمال بھی جائز ہے، جیسا کہ انہوں نے فرمایا: ''ولو استزدته لزادني'' یعنی اگر میں زیادہ سوالات پوچھتا تو آپ بھی مزید جوابات دیتے جاتے۔ اسی طرح انسان ایسی بات کی خبر دے سکتا ہے جو ابھی واقع نہیں ہوئی کہ اگر ایسے ہوتا تو ایسے ہو جاتا، جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ولو استزدته لزادني'' یعنی اگر میں مزید پوچھتا تو آپ مزید جواب دے دیتے۔''

⑫ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ حدیث ابوالولید سے نقل کرنے کا مقصد جلیل القدر صحابی سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے جہاد کو واضح کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

تصنیف: امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ ترجمہ و تحقیق: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

اثبات عذاب القبر

۱۸۶) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: ''اے میرے اللہ! میں عذاب قبر اور عذاب جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ زندگی اور موت کے فتنے اور مسیح دجال کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۸۷) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے عذاب کی آزمائش سے اللہ کی پناہ مانگو، عذاب قبر کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو، زندگی اور موت کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو، مسیح دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۸۸) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی تشہد سے فارغ ہو جائے تو (سلام سے پہلے) چار چیزوں کی اللہ سے پناہ مانگے، عذاب جہنم اور عذاب قبر سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے۔'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۸۹) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر سے (اللہ کی) پناہ مانگتے سنا ہے، اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۹۰) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر، عذاب جہنم اور فتنۂ دجال سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

....

۱۸۶) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر ح ۱۳۷۷، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر ح ۵۸۸۔

۱۸۷) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما یستعاذ منه فی الصلوٰة ح ۵۸۹/ ۱۳۲۔

۱۸۸) صحیح مسلم: ح ۵۸۹/ ۱۳۰ نیز دیکھئے حدیث سابق: ۱۸۷

۱۸۹) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر ح ۵۸۵۔

۱۹۰) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما یستعاذ منه فی الصلوة ح ۵۸۹۔

۱۹۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہنم سے اللہ کی پناہ مانگو، عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو، مسیح دجال سے اللہ کی پناہ مانگو، زندگی اور موت کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

۱۹۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی اور موت کے شر، عذاب قبر اور مسیح دجال کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔''

۱۹۳) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

۱۹۴) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ میں کمزوری، سستی، بخیلی اور بڑھاپے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۹۵) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے:
''اے اللہ! میں کمزوری، سستی، بخل، قرض اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں زندگی و موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

....

۱۹۱) صحیح، سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی الاستعاذة ح ۳۶۰۴۔ امام ترمذی نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

۱۹۲) صحیح، مسند احمد ۲/ ۴۶۹۔ الادب المفرد للبخاری: ۶۵۷، ابن حبان (الاحسان ۱۰۱۴) نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۹۳) صحیح، مسند احمد ۳/ ۱۱۳، ۱۱۷، نیز دیکھئے حدیث: ۱۹۴۔

۱۹۴) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ، من فتنه المحیا والممات ح ۶۳۶۷، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب الدعوات والتعوذ ح ۲۷۰۶/ ۵۰.

۱۹۵) سنن النسائی، کتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من البخل، ح ۵۴۵۰۔ یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

۱۹۶) حمید الطّویل (تابعی) سے روایت ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے عذاب قبر اور دجال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں تجھ سے سستی، بڑھاپے، بزدلی، بخل، فتنہ دجال اور عذاب قبر کی پناہ چاہتا ہوں۔''

۱۹۷) ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۱۹۸) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ آپ فرماتے: ''اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۹۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے بعد فرماتے: ''اے اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور کانے دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

۲۰۰) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''اے اللہ! میں کفر، قرض، عذاب قبر اور سینے کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

۲۰۱) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن، بنونجار کی چاردیواری میں، رسول

....

۱۹۶) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب: ۷۱، ح ۳۴۸۵۔ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح"

۱۹۷) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر ح ۱۳۷۶۔

۱۹۸) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما یستعاذ منه فی الصلوۃ ح ۵۹۰۔

۱۹۹) صحیح . یہ اپنے صحیح و حسن شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔

۲۰۰) دیکھئے حدیث سابق: ۱۸۳

۲۰۱) صحیح مسلم، دیکھئے حدیث سابق: ۸۶.

اللہ ﷺ اپنے خچر پر (سوار) تھے۔ ہم آپ کے ساتھ تھے۔ خچر اچھلنے کودنے لگا، قریب تھا کہ وہ آپ کو گرادے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چار، پانچ یا چھ قبریں ہیں، آپ نے فرمایا: ''ان قبر والوں کو کون جانتا ہے؟'' ایک آدمی نے کہا: میں (جانتا ہوں) آپ نے فرمایا: ''یہ کب فوت ہوئے تھے؟ اس نے کہا: شرک (کے زمانے) میں مرے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''بے شک اس امت کو اپنی قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔ اگر تم دفن کرنا چھوڑ نہ دیتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمھیں عذاب قبر میں سے وہ کچھ سنادے جو اس نے مجھے سنایا ہے۔'' پھر ہماری طرف اپنا چہرہ کر کے فرمایا: ''عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' ہم نے کہا: ہم عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''جو فتنے ظاہر ہو گئے ہیں اور جو مخفی ہیں اُن سب سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' ہم نے کہا: جو فتنے ظاہر ہو گئے ہیں اور جو چھپے ہوئے ہیں، اُن سب سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' ہم نے کہا: ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۲۰۲) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو نجار کی ایک چاردیواری میں داخل ہوئے تو آپ نے ان کی قبروں میں انھیں عذاب ہوتا سنا، آپ ڈرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے: ''میں قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔''

۲۰۳) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کا تذکرہ کیا۔ پھر راوی نے (لمبی) حدیث بیان کی اور اس میں ہے (کہ آپ نے فرمایا:) ''عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

....

۲۰۲) صحیح، مسند احمد ۳/ ۲۹۵، ۲۹۶، مصنف عبدالرزاق: ٦٧٤٢۔

فائدہ: ابوالزبیر نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ والحمدللہ

۲۰۳) سندہ صحیح، مسند احمد ۵/ ۱۲۳، ۱۲٤، ابن حبان (موارد ۱۸۹۹) نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۲۰۴) مسلم بن ابی بکرہ (تابعی) سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد (ابوبکرہ رضی اللہ عنہ) کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ دعا میں یہ کہہ رہے تھے: اے اللہ! میں کفر، غربت اور عذابِ قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (مسلم کہتے ہیں:) میں نے انھیں یاد کرلیا۔ پھر میں انھیں نماز کے آخر میں بطور دعا پڑھتا تھا۔ (ایک دن میرے والد محترم) میرے پاس سے گزرے اور میں یہ دعا کررہا تھا تو آپ نے پوچھا: اے بیٹے! یہ الفاظ تو نے کہاں سے سیکھے ہیں؟ میں نے کہا: اے ابا جی! میں نے آپ کو ان کلمات کے ساتھ نماز کے آخر میں دعا کرتے سنا تھا تو میں نے انھیں یاد کرلیا۔ انھوں نے فرمایا: اے بیٹے! انھیں لازم پکڑ لو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ نماز کے آخر میں دعا کرتے تھے۔

۲۰۵) عبداللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ ہم نے زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) سے کہا: آپ ہمیں علم سکھائیں یا حدیثیں سنائیں، انھوں نے فرمایا: میں تمھیں صرف وہی سکھاؤں گا جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھاتے تھے: ''اے اللہ! میں کمزوری، سستی، بخل، بزدلی، بڑھاپے اور عذابِ قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

۲۰۶) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''اے اللہ! میں سستی، قرض اور گناہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

---

۲۰۴) **سندہ حسن،** سنن النسائی، کتاب السھو، باب التعوذ فی دبر الصلوۃ، ح ۱۳۴۸۔ اسے حاکم (۱/ ۳۵، ۲۵۲، ۵۳۳) وذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

۲۰۵) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل (ح ۲۷۲۲)

۲۰۶) **سندہ حسن،** سنن النسائی، کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من الھرم، ح ۵۴۹۲۔

فائدہ: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا سلسلہ جمہور محدثین کے نزدیک حجت (اور صحیح وحسن) ہے۔

دیکھئے الترغیب والترھیب للمنذری (ج ۴، ص ۵۷۶)

۲۰۷) دوسری سند سے یہی روایت مروی ہے جس میں یہ الفاظ: ''اور جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں'' نہیں ہیں۔

۲۰۸) نبی ﷺ کی لونڈی میمونہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اے میمونہ! عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو، (میمونہ نے) کہا: اے اللہ کے رسول! یہ (عذابِ قبر) حق ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں اور قبر کے عذاب میں، سخت ترین عذاب غیبت اور پیشاب (سے نہ بچنے) میں ہوتا ہے۔''

باب۲۹: دفن سے فارغ ہونے کے بعد مؤمن کے لیے ثابت قدمی کی دعا

۲۰۹) عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے: ''اپنے میت (مرنے والے) کے لئے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ بے شک اب اس سے سوال وجواب ہوتے ہیں۔''

۲۱۰) دوسری سند سے یہی روایت ہے کہ جب آپ کسی آدمی کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں (قبر کے پاس) کھڑے ہو کر فرماتے: ''اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے۔''

باب۳۰: جس آدمی کی مغفرت کر دی جاتی ہے، اس کا یہ تمنا کرنا کہ (کاش) اس کی قوم یہ جان لیتی کہ اللہ نے اس پر کتنا (فضل و) کرم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس پر مغفرت کا انعام کیا، اس کے بارے میں فرمایا: ﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ط

....

۲۰۷) سندہ حسن، دیکھئے حدیث ۲۰۶ تنبیہ: ایک صحیح روایت میں زائد الفاظ کا ہونا اور دوسری میں نہ ہونا وجہ ضعف نہیں ہوتا، بلکہ زائد الفاظ کو قبول کیا جاتا ہے۔

۲۰۸) سندہ ضعیف، عکرمہ بن عمار مدلس ہے اور موسی بن مسعود ابو حذیفہ البصری پر صحیح البخاری کے علاوہ میں کلام ہے۔

۲۰۹) سندہ حسن، دیکھئے حدیث سابق: ۳۸

۲۱۰) سندہ حسن، دیکھئے حدیث سابق: ۲۰۹، ۲۸

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ ''کہا گیا: جنت میں داخل ہو جا، اس نے کہا: ہائے افسوس، کاش! میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کر دیا۔'' [یٰس: ۲۶، ۲۷]

مجاہد (تابعی) نے کہا: یہ بات اس نے اس وقت کہی جب اپنے (اجرو) ثواب کو دیکھ لیا۔☆ دوسرے (مفسر) نے کہا: ہائے افسوس، کاش! میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا ہے، یعنی میرا رب پر ایمان لانے اور اس کی تصدیق کی وجہ سے تاکہ وہ ایمان لے آئیں، پھر جس طرح میں جنت میں داخل ہوا ہوں وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں۔☆

۲۱۱) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ماموں حرام بن عثمان، ام سلیم کے بھائی کو بنو عامر کی طرف ستر آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ جب وہ آئے تو انھیں ان کے ماموں نے کہا: میں تم سے پہلے جا کر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچاتا ہوں۔ تم قریب رہنا، اگر انھوں نے مجھے کچھ نہ کہا (تو تم بھی آ جانا) پھر وہ ان کے پاس گئے اور انھیں (بنو عامر) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچانے لگے۔ اس دوران میں ان لوگوں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا تو اس نے (حرام بن عثمان پر) حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ گرتے وقت انھوں نے کہا: اللہ اکبر، کعبہ کے رب کی قسم! میں جیت گیا ہوں۔ پھر اس قبیلے والوں نے بقیہ صحابہ پر حملہ کر کے انھیں بھی شہید کر دیا، سوائے ایک لنگڑے آدمی کے جو کہ پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ پھر انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان (شہداء)

....

☆ **ضعیف**، تفسیر ابن جریر الطبری (۲۲/ ۱۰۴ فیہ ابن ابی نجیح مدلس و عنعن)

☆ یہ ابو مجلز کا قول ہے جسے ابن جریر (۲۲/۱۰۴) نے صحیح سند سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

۲۱۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من ینکب (أویطعن) فی سبیل اللّٰہ ح ۲۸۰۱، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوٰة ح ۶۷۷۔

کی خبر دی اور بتایا کہ وہ اپنے رب سے ملے، ان کا رب ان سے راضی ہے اور اس نے انھیں راضی کر دیا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن میں یہ بھی تلاوت کیا جاتا تھا کہ ہماری قوم کو بتاؤ کہ ہماری اپنے رب سے ملاقات ہوئی تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔ بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس دن، صبح کی نماز میں، ان (کافر قبائل) رعل، ذکوان اور عصیہ، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی پر بددعا فرمائی۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۲۱۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب وہ لوگ شہید ہوگئے اور اپنی آنکھوں سے اللہ کا تیار کردہ رزق دیکھ لیا تو انھوں نے کہا: کاش! ہمارے بھائیوں کو (ہماری حالت کے بارے میں) علم ہو جائے، پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انھیں مردے نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔'' (۳/ آل عمران : ۱۶۹)

۲۱۳) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مؤمن کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے (تو) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے ڈانٹتے ہیں تو وہ آزمائش کے خوف کی وجہ سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: اللہ میرا رب ہے اور اسلام میرا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں۔ تو اسے دونوں کہتے ہیں: تو نے سچ کہا: تو ایسا ہی تھا۔ پھر کہا جاتا ہے: اس کے نیچے جنت کا بچھونا بچھا دو اور اسے جنت کا لباس پہنا دو، پھر وہ کہتا ہے: مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اپنے گھر والوں کو خبر دے دوں۔ تو وہ دونوں اسے کہتے ہیں: آرام سے (یہاں) ٹھہرے رہو۔''

....

۲۱۲) حسن، سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی فضل الشهادة ح ۲۵۲۰۔

۲۱۳) ضعیف، اعمش مدلس وعنعن۔ اس مفہوم کی صحیح حدیث کے لیے دیکھئے سنن ابن ماجه: ۴۲۶۲، ۴۲۶۸ وغیرہ۔

۲۱۴) ابوالزبیر (محمد بن مسلم بن تدرس، تابعی) نے کہا کہ میں نے جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے قبر کے بارے میں پوچھا تو جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (یہ) فرماتے سنا: ''بے شک اس امت کو، قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔ پس جب مؤمن اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے اور اس کے ساتھی واپس مڑتے ہیں (تو) اس کے پاس شدید ڈانٹنے والا ایک فرشتہ آ کر یہ کہتا ہے: تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو مؤمن کہتا ہے: میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بندے ہیں۔ تو اسے فرشتہ کہتا ہے: آگ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھو، یعنی اللہ نے اس کے بدلے میں تجھے جنت میں ٹھکانہ دے دیا ہے۔ وہ دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ پھر مومن کہتا ہے: مجھے چھوڑو، میں اپنے گھر والوں کو خوشخبری دینا چاہتا ہوں۔ تو اسے کہا جاتا ہے کہ آرام سے ٹھہرے رہو اور اگر منافق تھا تو جب اس کے گھر والے واپس لوٹتے ہیں، اسے بٹھایا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے: اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے: مجھے کچھ پتہ نہیں، لوگ جو کہتے تھے میں وہی کہتا تھا: تو اسے کہا جاتا ہے: تو نے عقل سے کام نہیں لیا۔ یہ تیرا ٹھکانہ ہے جنت والا، اس کے بدلے میں تجھے جہنم میں ٹھکانہ دے دیا گیا ہے۔'' جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''ہر آدمی جس بات پر فوت ہوا ہے اس پر زندہ کیا جائے گا۔ مؤمن کو ایمان پر، اور منافق کو نفاق پر اٹھایا جائے گا۔''

باب ۳۱: آیت: ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۜ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴾

''اور صور جب پھونکا جائے گا۔ پس وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ رہے ہوں گے، وہ کہیں گے: ہائے ہماری تباہی کس نے ہمیں (اپنی قبروں سے اٹھا دیا۔'' الآیۃ [یٰس: ۵۱، ۵۲]

....

۲۱۴) ضعیف، مسند احمد ۳/ ۳۴۶۔ ابن لهيعه مدلس وعنعن.

تنبیہ: باب نمبر ۳۰ مکمل مخطوطے میں موجود نہیں ہے میں نے اسے مطبوعہ نسخے سے لکھا ہے۔/ زبیر علی زئی

کی تفسیر، استاذ، ابوالقاسم الحسن بن محمد بن حبیب المفسر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ اس لئے کہیں گے کہ اللہ نے نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان (قیامت کے بعد حشر سے پہلے) ان سے عذاب اٹھالیا۔ تو وہ اپنا عذاب بھول جائیں گی اور یہ گمان کریں گے کہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ پھر وہ جب اپنی قبروں سے نکلیں گے تو کہیں گے کہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ (یعنی نیند) سے اٹھا دیا۔ تو فرشتے انھیں کہیں گے: یہ وہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا: قتادہ نے کہا: عذاب کی تخفیف چالیس سال تک رہے گی۔

۲۱۵) مقاتل بن سلیمان (کذاب مفسر) نے اپنی تفسیر میں تابعین سے اس آیت: ہائے افسوس! کس نے ہمیں اپنی خواب گاہ سے اٹھا دیا، کی تشریح میں نقل کیا کہ ہر دن کافروں کی روحوں کو آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ پھر جب نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان اُن سے عذاب اٹھالیا جائے گا تو جب انھیں نفخۂ ثانیہ میں اٹھایا جائے گا اور وہ اپنی آنکھوں سے قیامت کے دن اسے دیکھ لیں گے جسے وہ دنیا میں جھوٹ سمجھتے تھے، دوبارہ زندگی اور حساب کتاب کو تو وہ اپنی تباہی کو پکاریں گے: ہائے ہماری تباہی کس نے ہمیں خواب گاہ سے اٹھا دیا۔ اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی قرأت میں ''ہماری موت سے'' ہے تو انھیں نگہبان فرشتے کہیں گے: یہ وہ ہے جس کا رحمٰن نے اپنے رسولوں کی زبانوں پر تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمھیں موت کے بعد زندہ کرے گا تو تم نے اسے جھوٹ سمجھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا کہ دوبارہ اٹھنا حق ہے، اور اس (مفسر) نے ونفخ فی الصور کی تشریح میں کہا: اور وہ سینگ ہے (جس میں پھونک ماری جائے گی) پس آسمانوں اور زمینوں میں جو حیوان بھی ہے وہ آواز کی شدت کی وجہ سے مدہوش ہو کر مر جائے گا۔ پھر وہ مستثنیٰ رہیں گے جنہیں اللہ مستثنیٰ رکھے

---

۲۱۵) یہ سب ترتیب و تفصیل جھوٹ ہے، کیونکہ اس کا بیان کرنے والا مقاتل بن سلیمان مشہور کذاب شخص تھا۔ تاہم اس میں بیان کردہ بعض باتیں دوسرے دلائل کی رو سے صحیح ہیں۔ واللہ اعلم

گا، یعنی جبریل، میکائیل، اسرافیل اور موت کا فرشتہ زندہ رہیں گے: پھر موت کے فرشتے کو حکم دیا جائے گا کہ میکائیل کی روح قبض کرے، پھر جبرئیل اور پھر اسرافیل کی روح قبض کی جائے گی۔ پھر موت کے فرشتے کو حکم دیا جائے گا تو وہ بھی مرجائے گا۔ پھر تمام مخلوق نفخہ اولیٰ کے بعد چالیس سال تک مقام برزخ میں رہے گی۔

پھر دوسرا نفخہ ہوگا تو اللہ اسرائیل کو زندہ کر کے حکم دے گا کہ دوسرا صور پھونکو، تو یہ ہے اللہ کی بات پھر (دوسرا صور) پھونکا جائے گا تو سب لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر دیکھیں گے۔ اس دوبارہ زندگی کی طرف جسے وہ دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب کفار جہنم اور اس کے مختلف عذابوں کو دیکھ لیں گے تو قبروں والے عذاب کو نیند کی طرح تصور کریں گے۔ پھر کہیں گے: کس نے ہمیں اپنی خواب گاہ سے اٹھا دیا۔ الشیخ (امام بیہقی) رحمہ اللہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ قرآن میں جو ہے کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت واقع ہوگی (کہا جائے گا) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔ پھر صحیح احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی جو تشریح کی ہے وہ صحیح ہے اور انھی احادیث میں سے یہ بھی ہے۔

۲۱۶) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دونوں نفخوں (نفخہ اولیٰ اور ثانیہ) کے درمیان چالیس ہیں۔'' ابو ہریرہ سے کہا گیا: چالیس دن؟ انھوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں۔ انھوں نے کہا: چالیس مہینے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں انکار کرتا ہوں۔ پھر فرمایا: اللہ آسمان سے پانی نازل کرے گا تو وہ اس طرح اگ آئیں گے جیسے پہاڑ اگ آتے ہیں اور فرمایا: انسان کی ہر چیز گل سڑ جاتی ہے، سوائے ایک ہڈی کے وہ ریڑھ کی ہڈی ہے اور اسی سے مخلوق کو دوبارہ، قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا۔

....

۲۱۶) صحیح، دیکھئے حدیث: ۲۱۷

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

انوار السنن فی تحقیق آثار السنن

(۲۶)

۳۱۷) وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَه وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو کھینچ کر (بلند کرکے) رفع یدین کرتے تھے۔

اسے ابن ماجہ کے سوا پانچوں (ابوداود: ۷۵۳، ترمذی: ۲۴۰، نسائی ۲/۱۲۴ ح ۸۸۴، احمد ۲/ ۳۷۵) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم (۱/۲۳۴) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ نیز دیکھئے حدیث: ۴۱۲

تنبیہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری: ۲۲ وسندہ صحیح اور نور العینین (ص ۱۶۰)

۳۱۸) وَ عَنْ مَّالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو کانوں تک یا کانوں کی لو تک رفع یدین کرتے تھے۔ اسے مسلم (۳۹۱) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

اس حدیث میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والا رفع یدین بھی موجود ہے۔

یہی حدیث صحیح بخاری (۷۳۷) میں مواضع ثلاثہ کے رفع یدین کے ساتھ موجود

ہے۔ دیکھئے حدیث: ۳۹۳ (آثار السنن)

۳۱۹) وَعَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَصَفَ هَمَامٌ حِيَالَ أُذُنَيْهِ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ جب نماز میں داخل ہوئے تکبیر کہی۔ ہمام (بن یحییٰ: راویٔ حدیث) نے بتایا کہ یہ رفع یدین دونوں کانوں تک تھا۔

اسے مسلم (۴۰۱) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

۱: معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ نماز میں داخل ہے۔

۲: رفع یدین کانوں تک بھی صحیح ہے اور کندھوں تک بھی صحیح ہے، جس پر عمل کریں گے ان شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا۔

۳: اس صحیح حدیث میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کا بھی ذکر ہے۔

۳۲۰) وَعَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيَالَ أُذُنَيْهِ قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُهُمْ فَرَأَيْتُهُمْ يَرْفَعُوْنَ أَيْدِيَهُمْ إِلٰى صُدُوْرِهِمْ فِيْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسُ وَّأَكْسِيَةٌ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَاٰخَرُوْنَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ .

اور انھی (سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے جب نماز شروع کی تو دونوں کانوں کے برابر رفع یدین کیا، پھر میں (دوبارہ) آیا تو لوگوں کو دیکھا وہ نماز کے شروع میں اپنے سینوں تک رفع یدین کرتے تھے اور لوگوں پر ٹوپیاں اور چادریں تھیں۔ اسے ابو داود (۷۲۸) اور دوسروں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس کے ضعیف ہونے کی دو بڑی وجہیں ہیں:

اول: امام شریک القاضی رحمہ اللہ صدوق حسن الحدیث قبل الاختلاط ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے۔ (کما تقدم: ۳۲) اور یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا اصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہے۔

دوم: نیموی صاحب کے نزدیک قاضی شریک "لیس بالقوي" اور "لین الحدیث" (یعنی ضعیف) ہیں۔ دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۱۳۱ تحت ح ۳۲)

لین الحدیث اور لیس بالقوي کی حدیث کو حسن قرار دینا نیموی صاحب جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

تنبیہ: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین والی جتنی روایات نیموی صاحب نے ذکر کی ہیں اُن میں رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین بھی صاف طور پر موجود ہے۔ سوائے حدیث نمبر ۳۱۷ کے اور اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ نیموی صاحب کے پاس صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین والی کوئی حدیث بھی نہیں تھی، رہا یہ مسئلہ کہ حدیث کا آدھا ٹکڑا بطورِ حجت اور آدھا ٹکڑا چھپا لینا یا رد کر دینا تو یہ پسندیدہ کام نہیں بلکہ مذموم عمل ہے۔

بَابُ وَضْعِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنے کا باب

۳۲۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ قَالَ أَبُوْ حَازِمٍ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِيْ ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

سہل بن سعد (الساعدی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ مرد نماز میں اپنا

دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔

ابو حازم (سلمہ بن دینار رحمہ اللہ، راویٔ حدیث) فرماتے ہیں: میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ (سیدنا سہل رضی اللہ عنہ) اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے۔

اسے بخاری نے (۷۴۰، اور امام مالک نے موطأ ۱/ ۱۵۹ ح ۳۷۷ میں) روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

۱: انسان کا ذراع کہنی کے سرے سے درمیانی انگلی کے سرے تک ہوتا ہے۔

(القاموس الوحید ص ۵٦۸)

اگر آدمی اپنی پوری ذراع پر دایاں ہاتھ رکھے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے۔ تجربہ شرط ہے۔

۲: یہ حدیث مرفوع ہے۔ لوگوں کو یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا جاتا تھا۔

۳۲۲) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ وَكَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ مُسْلِمٌ.

اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ جب نماز میں داخل ہوئے رفع یدین کیا اور تکبیر کہی، پھر اپنی چادر اوڑھ لی، پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔

اسے احمد (۴/ ۳۱۷) اور مسلم (۴۰۱) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

دیکھئے حدیث سابق: ۳۱۹

۳۲۳) وَعَنْهُ قَالَ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ.

اور انھی (سیدنا وائل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی

بائیں ہتھیلی، رُسغ اور ساعد پر رکھا۔

اسے احمد (۴/ ۳۱۸) نسائی (۲/ ۱۲۶ ح ۸۹۰) و ابو داود (۷۲۶، ۷۲۷) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

رُسغ: پنجا، کلائی، ہتھیلی اور بازو کے درمیان کا جوڑ۔ (القاموس الوحید ص ۶۲۲)

ساعد: کلائی، بازو، کہنی سے ہتھیلی تک کا حصہ۔ (القاموس الوحید ص ۷۶۹)

اگر دایاں ہاتھ پوری بائیں ہتھیلی، کلائی اور کہنی سے ہتھیلی تک کے حصے پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آ جاتا ہے، نیز دیکھئے حدیث سابق: ۳۲۱۔

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صحیح دلیلوں میں سے یہ دوسری دلیل ہے۔ والحمد للہ

۳۲۴) وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى . رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ .

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ انھوں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو آپ نے اُن کا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔

اسے ترمذی کے سوا چاروں (ابو داود: ۷۵۵، ابن ماجہ: ۸۱۱، نسائی ۲/ ۱۲۶ ح ۸۸۹) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

انوار السنن: اس کی سند حسن ہے۔

۱: اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ کوئی کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو، اس سے غلطی ہو سکتی ہے۔

۲۔ ہر وقت اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔

۳۔ نماز میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے، لہٰذا جو لوگ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اُن کا فعل سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

۴۔ شاگردوں کی نگرانی سے کوتاہی نہیں برتنی چاہیے۔

بَابٌ فِيْ وَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الصَّدْرِ

سینے پر ہاتھ باندھنے کا باب

۳۲۵) عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ. رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيْحِهٖ وَ فِيْ إِسْنَادِهٖ نَظَرٌ وَّ زِيَادَةُ عَلٰى صَدْرِهٖ غَيْرُ مَحْفُوْظَةٍ.

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (یعنی آپ کے پیچھے) نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا۔ اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (۲۴۳/۱ ح ۴۷۹) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں نظر ہے اور ''سینے پر'' کی زیادت غیر محفوظ ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ روایت ہمارے نزدیک ضعیف ہے اور حنفیہ کے اصول کے مطابق صحیح ہے۔

ہمارے نزدیک وجۂ ضعف صرف یہ ہے کہ اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔ (تقدم: ۲۰۹) اور یہ روایت عن سے ہے۔ بعض اہلِ حدیث علماء نے اس روایت کو دو وجہ سے صحیح قرار دیا ہے:

اول: صحیح ابن خزیمہ میں چونکہ صحیح روایات کا التزام کیا گیا ہے، لہٰذا یہ روایت سماع پر محمول ہے۔

دوم: اس کے شواہد ہیں، مثلاً: حدیث: ۳۲۶ (و سندہ حسن لذاتہ)

ہم کہتے ہیں کہ ہمارے لئے صحیح و حسن لذاتہ روایات کافی ہیں، لہٰذا ضعیف شواہد وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑتے بلکہ صحیح اور حسن لذاتہ سے استدلال کرتے ہیں۔

نیموی صاحب نے امام سفیان ثوری کے شاگرد مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاری کی طرف غلط منسوب جرح (منکر الحدیث) جو کہ ثابت ہی نہیں ہے اور بعض محدثین کی جرح پیش کر کے مؤمل رحمہ اللہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے جو کہ جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

محمد بن الحسن الشیبانی، قاضی ابو یوسف اور حسن بن زیاد اللؤلؤی وغیرہم کی روایات و اقوال سے استدلال کرنے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ یہ لوگ مؤمل بن اسماعیل سے بہتر ہیں یا مؤمل ان سے بہتر ہیں۔!

مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں راقم الحروف کی مفصل تحقیق ''اثبات التعدیل فی توثیق مؤمل بن اسماعیل'' میں پڑھ لیں۔ (علمی و تحقیقی مقالات جلد اول ص ۴۱۷)

فی الحال مختصراً چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: مؤمل بن اسماعیل کو امام ابن معین اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق، صحیح الحدیث و حسن الحدیث قرار دیا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے، یعنی اس کی منفرد روایت حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ اِلا یہ کہ زمانۂ تدوین حدیث کے محدثین کرام نے اس کی کسی خاص روایت کو وہم و خطا قرار دیا ہو تو وہ روایت مستثنیٰ ہو جاتی ہے۔

۲: مؤمل کے بارے میں حافظ مزی، حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی تینوں نے بغیر کسی سند اور حوالے کے امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''منکر الحدیث'' حالانکہ یہ قول نہ تو امام بخاری کی کسی کتاب میں ہے اور نہ دنیا کی کسی کتاب میں صحیح سند کے ساتھ امام بخاری سے ثابت ہے۔

اس کے برعکس مؤمل کی روایت صحیح بخاری (۲۷۰۰، ۷۰۸۳) میں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امام بخاری کے نزدیک منکر الحدیث نہیں بلکہ صحیح الحدیث یا حسن الحدیث ہیں۔ واللہ اعلم

یہاں بطورِ الزام عرض ہے: کیا خیال ہے کہ اگر ہم ابن فرقد وغیرہ پر بعض علماء کی طرف سے منسوب غیر ثابت جرحیں پیش کر دیں تو آپ لوگ ناراض تو نہیں ہوں گے؟ مثلاً: حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف نے کہا: ''محمد بن الحسن یکذب عليّ'' محمد بن الحسن مجھ پر جھوٹ بولتا ہے۔ (لسان المیزان ۵/ ۱۲۸)

یاد رہے کہ جس طرح یہ قول قاضی ابو یوسف سے صحیح و حسن سند کے ساتھ ثابت نہیں اُسی طرح وہ قول امام بخاری سے ثابت نہیں ہے۔ قومِ شعیب علیہ السلام کی طرح دو میزانیں استعمال کرنے سے ہمیشہ اجتناب کریں۔

۳: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر سفیان ثوری سے مؤمل روایت کریں تو کس طرح ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ثقہ ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۸/ ۳۷۴)

مؤمل کی سفیان ثوری سے روایت کو درج ذیل محدثین نے صحیح قرار دیا ہے:

ابن خزیمہ (۱/ ۲۴۳) ترمذی (۱۹۴۸) دارقطنی (۲/ ۱۸۶) حاکم (۱/ ۳۸۴) ذہبی، ابن کثیر (فی تفسیرہ ۴/ ۴۲۳)

معلوم ہوا کہ مؤمل بن اسماعیل جب سفیان ثوری سے روایت کریں تو ابن معین، ابن خزیمہ، ترمذی، دارقطنی، حاکم، ذہبی اور جمہور کے نزدیک ثقہ و صحیح الحدیث ہیں، لہٰذا حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں مؤمل کی سفیان ثوری سے روایت پر جرح کرنا مردود ہے۔

۴: جب یہ ثابت ہو گیا کہ جمہور محدثین کے نزدیک مؤمل ثقہ و صدوق ہیں تو اگر وہ سفیان ثوری سے ایک روایت بیان کریں اور یہ روایت سفیان ثوری کے ایک ہزار شاگرد بیان نہ کریں تو پریشانی کی بات نہیں بلکہ ثقہ و صدوق کی زیادت معتبر و حجت ہوتی ہے، عدمِ ذکر کو مخالفت بنا دینا نیموی صاحب جیسے لوگوں کا ہی کام ہے جو بہت سے مقامات پر زیادتِ ثقہ و صدوق والی روایات سے حجت پکڑتے ہوئے استدلال کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ روایت ان کی مرضی اور خواہشات کے مطابق ہو اور کہہ دیتے ہیں: ''ثقہ کی زیادت

مقبولہ ہے۔'' (دیکھئے التعلیق الحسن ص ۲۰۳ تحت ح ۳۹۷)

اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو ثقہ حافظ متقن راوی امام ابن جریج کی زیادت کے بارے میں کہتے ہیں: ''اور اس زیادت میں کلام ہے۔'' (دیکھئے آثار السنن: ۵۲۴)

دوغلی پالیسی سے اجتناب صرف اس وقت ممکن ہے جب آدمی اپنے آپ کو تقلید کے اندھیروں سے نکال کر اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کا دامن پکڑتے ہوئے عدل وانصاف کو اپنا نصب العین بنالے۔

۳۲۶) وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ وَرَأَيْتُهُ يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ وَوَصَفَ يَحْيٰى: الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمَفْصَلِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ لٰكِنْ قَوْلُهُ عَلٰى صَدْرِهٖ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ.

اور قبیصہ بن ہلب (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے، وہ اپنے ابا (سیدنا ہلب الطائی) رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا: آپ دائیں طرف اور بائیں طرف پھرتے تھے اور میں نے آپ کو دیکھا: آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔ یحییٰ (بن سعید القطان راویٔ حدیث) نے دائیں کو بائیں کے جوڑ پر رکھ کر دکھایا۔

اسے احمد (۵/۲۲۶) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

لیکن اس (راوی) کا قول: ''سینے پر'' محفوظ نہیں ہے۔

انوار السنن: اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔

۱: یحییٰ بن سعید القطان ثقہ حافظ متقن امام ہیں، امام سفیان ثوری نے سماع کی تصریح کر دی ہے، سماک بن حرب جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح مسلم کے بنیادی راوی ہیں اور یہ روایت انھوں نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہے، سماک بن حرب کے مفصل دفاع کے لیے دیکھئے میرا مضمون ''نصرب الرب فی توثیق سماک بن حرب''، علمی و

تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۴۲۸)

قبیصہ بن ہلب کو امام عجلی و جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

ایسی اگر کوئی روایت آلِ تقلید کے پاس ہوتی تو چیخ چیخ کر انھوں نے آسمان سر پر کھڑا کر لینا تھا مگر بیچاروں کے پاس عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی جیسے لوگوں ہی کی روایتیں ہیں۔! دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۱۴۹ تحت حدیث: ۳۳۰)

۲: یہ روایت بالکل محفوظ اور حسن لذاتہ ہے جس کی فی الحال چھ دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

اول: یہ حدیث مسند احمد کے تمام مخطوطہ ومطبوعہ نسخوں میں موجود ہے۔

دوم: ابن جوزی نے اسے اپنی سند کے ساتھ امام احمد سے اسی طرح اسی مفہوم کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دیکھئے التعلیق فی احادیث الخلاف (۱/ ۳۳۸ ح ۴۳۴، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۸۳ ح ۴۷۷)

سوم: ابن عبدالہادی نے اسے اسی مفہوم کے ساتھ نقل کیا ہے۔ دیکھئے التنقیح (۱/ ۲۳۸)

چہارم: مسند احمد کے حافظ اور مشہور مفسر ابن کثیر نے اسے اسی مفہوم سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے جامع المسانید والسنن (۱۲/ ۲۹۶، ۲۹۷ ح ۹۶۹۳)

پنجم: اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/ ۲۲۴) میں نقل کیا ہے۔

ششم: امام سفیان ثوری سے اسے مشہور ثقہ حافظ متقن امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، لہٰذا اگر اسے دوسرے ایک ہزار ثقہ راوی بھی بیان نہ کریں تو پریشانی کی بات نہیں بلکہ ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہے۔ نیموی صاحب نے امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمہ اللہ (ثقہ حافظ امام) کی ایک زیادت کو بہت زیادہ مقبول قرار دیا ہے۔ دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۳۳ تحت ح ۳۶)

امام حمیدی سے امام یحییٰ القطان زیادہ بڑے ثقہ حافظ ہیں۔

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

”مِنْ دُوْنِ اللّٰہ“ کا صحیح مفہوم

(آخری قسط)

پندرھواں سیالوی مغالطہ: لکھا ہے:

”اور ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کی شان یہ ہے کہ وہ مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ (۳/ آل عمران: ۴۹) کہ میں مٹی سے ایک مورتی بناتا ہوں جو پرندے کی شکل پر ہوتی ہے، پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں پھر وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ میں شامل نہیں ہیں۔“

(نداء یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص:۱۸۶)

جواب:...... سیالوی صاحب اگر اس آیت کا ابتدائی حصہ ذکر کردیتے، ان کا مغالطہ کافور ہوجاتا۔ بہرحال سنیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ (الآیۃ)

”اور (بھیجے گا اُسے) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف (وہ انہیں آ کر کہے گا) میں آ گیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر تمہارے رب کی طرف سے (وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہوں تمہارے لیے کیچڑ سے پرندے کی سی صورت پھر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں وہ فوراً ہوجاتی ہے پرندہ اللہ کے حکم سے۔“ (آل عمران:۴۹، ترجمہ از بھیروی صاحب، ضیاء القرآن ۱/۲۳۱)

بھیروی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام...... جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وہ کٹ حجتی میں اپنی مثال آپ تھی اس لیے انھیں ایسے کھلے معجزات عطا فرمائے گئے جنھیں دیکھ کر کسی عقلمند کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم ان معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان فرما رہا ہے اور ان کو لفظ آیت سے تعبیر کیا اور آیت کہتے ہیں ''العلامة الظاهرة'' جو کسی کو پہچاننے کی کھلی نشانی ہو جس کے بعد شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ یہ معجزات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں: (۱) مٹی سے پرندے کی تصویر بنا کر اُس میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے۔ (۲) مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے۔ (۳) کوڑھی کو تندرست کر دیتے۔ (۴) اور مردہ کو ازسرنو زندہ کر دیا کرتے۔ یہ چار قسمیں عملی معجزات کی تھیں اور پانچویں قسم علمی معجزہ کی تھی یعنی غیب کی خبر دینا۔'' (ضیاء القرآن ۱/ ۲۳۱ تا ۲۳۲)

تنبیہ: ......اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وحی نازل فرمایا، اُس وحی کے ذریعے سے خبر دینے کا کوئی منکر نہیں۔

✎ نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے لکھا:

''جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات دکھائے تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ایک چمگادڑ پیدا کریں آپ نے مٹی سے چمگادڑ کی صورت بنائی پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی۔''

(خزائن العرفان ص:۱۰۱)

✂ سعید صاحب نے اسی آیت کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھا:

''یہ مذکورۃ الصدر پانچ چیزیں زبردست اور قوی ترین معجزات ہیں جو میرے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں اور جو شخص دلیل سے کسی بات کو مانتا ہو اس پر حجت ہیں۔'' (تبیان القرآن ۲/ ۱۷۷)

بریلویہ کی ان تفاسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمیع اہل ایمان کی طرح یہ بھی ان امور کو سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ''معجزات'' تسلیم کرتے ہیں اور معجزات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱: ﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ ﴾

''اور بے شک ہم نے بھیجے کئی رسول آپ سے پہلے اور بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد اور نہیں ممکن کسی رسول کے لیے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہر میعاد کے لیے ایک نوشتہ ہے۔''

(ترجمہ از بھیروی صاحب،، ضیاء القرآن ۲/۴۹۴)

اگر معجزہ نبی کا فعل ہوتا تو ان کے لیے معجزہ پیش کرنا ممکن کیوں نہ ہوتا اور اسے اللہ تعالیٰ کے امر پر موقوف کیوں بتلایا جاتا؟

۲: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ﴾

''آپ فرمایئے نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر جب یہ نشانی آجائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' (ترجمہ از بھیروی صاحب،، ضیاء القرآن ۱/۵۹۱)

معجزات کا خالق کون؟

ایک زیر بحث آیت میں بھی یہی مذکور ہے کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام مٹی کا پرندہ بناتے اور اس میں پھونکتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے پرندہ بن جاتا، جیسا کہ خود سیالوی صاحب نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

''پھر وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن جاتا۔'' (ندائے......!ص:۱۸۶)

سیالوی صاحب اور ان کے جمیع ہم مشرب جو اس آیت سے غلط مفہوم کشید کر کے عوام

الناس کو مغالطہ دیتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ آیت کے الفاظ پر خوب غور کریں جن سے واضح ہے کہ سیّدنا مسیح علیہ السلام تو مٹی سے صرف پرندے کی ہیئت/شکل بناتے تھے اور اس پر پھونکتے تھے۔ مٹی کا وہ پتلا اللہ کے حکم سے ہی پرندہ بنتا تھا، چونکہ یہ معاملہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا تھا تو یہ ان کا معجزہ تھا۔ اسی طرح آپ علیہ السلام نے پرندے کی تخلیق اپنی طرف منسوب نہیں کی بلکہ پرندے کی ہیئت کی تخلیق اپنی طرف منسوب کی ہے۔ "کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ" کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔ نیز "فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ" کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ وہ مٹی کا پتلا اللہ کے اذن سے پرندہ بن جاتا۔ گویا "خلق طیر" کی مجازی نسبت بھی نہیں ہے۔ اہل ایمان تو ہمیشہ سے ان معجزات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں۔ جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے کسی نبی علیہ السلام کی تائید وتصدیق کے لیے ان کے ہاتھ پر ظاہر فرماتے ہیں، تاکہ ان پر ایمان نہ لانے والوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "نشانیاں (معجزات) تو صرف اللہ کے پاس ہیں۔"

البتہ اس معاملہ میں کفار کا طریقہ وعقیدہ کچھ مختلف تھا، چنانچہ سعیدی صاحب نے سورۂ مائدہ آیت: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھا ہے:

> "عیسائی یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے ہاتھوں سے جو معجزات ظاہر ہوئے ان کے خالق حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہیں۔ اس لحاظ سے ان سے یہ نقل اور حکایت کرنا صحیح ہے کہ "کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنا لو۔" (تبیان القرآن: ۳/۳۷۶)

۴: بریلویہ کے "حکیم الامت" احمد یار خان نعیمی صاحب نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا:

> "عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان معجزات کا خالق مانتے ہیں اور حضرت مریم کو ان کی کرامات کا خالق مانتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ خالق الٰہی ہی ہوتا ہے ان وجوہ سے یہاں واُمّی فرمایا گیا۔ (تفسیر خازن، کبیر وغیرہ)" (تفسیر نعیمی ج ۷ ص: ۱۹۲)

اگر عیسائیوں کی طرح سیالوی صاحب اور ان کا گروہ بھی سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پرندہ

بنانے کے معجزے کا خالق سمجھتے ہیں تو خود بتائیں کہ وہ عیسائیوں کے دوش بدوش چل پڑے کہ نہیں! اور بقول نعیمی وسعیدی بریلویان، عیسائیوں نے سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ان معجزات کا خالق مانا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اللہ کے سوا ''الٰہ'' بنانا قرار دیا۔ اگر بریلویہ بھی ایسا عقیدہ بنالیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ''الٰہ'' مانتے ہیں اور یہ تو خود ان کے ہاں بھی صریح شرک ہے۔ **اعاذنا اللہ منہ**

الغرض! سیالوی صاحب کے اس مغالطہ میں بھی اس بات کا ثبوت مفقود ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام ''من دون اللہ'' یعنی ''اللہ کے علاوہ'' نہیں۔ اس کے ساتھ ہی سیالوی صاحب کی نام نہاد ''نفیس بحث'' کا اختتام ہوا ہے۔ آگے انھوں نے جو بحث چھیڑی ہے وہ اس مضمون کے موضوع سے خارج ہے۔ الحمد للہ صریح دلائل کے مقابلہ میں سیالوی صاحب کے مغالطات وعقلی ڈھکوسلوں کی حقیقت بخوبی ظاہر ہوگئی۔

احمد سعید کاظمی اور ''من دون اللہ''

قارئین کرام احمد خان نعیمی وغلام نصیر الدین سیالوی صاحب نے تو علی الاطلاق یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ''من دون اللہ'' میں شامل نہیں۔ لیکن بریلویہ کے ''امام اہلسنّت غزالی زمان ورازی دوراں'' احمد سعید کاظمی ملتانی صاحب نے ان کے موقف کے برعکس کچھ مختلف نظریہ پیش کیا ہے، ملاحظہ کیجئے لکھا ہے:

> ''مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ '' کے بارے میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کی وہ سب آیات جن میں غیر اللہ کی الوہیت کی نفی اور ماسوا اللہ کی عبادت کی ممانعت و مذمت وارد ہے۔ یقیناً تمام انبیاء واولیاء علیہم السلام کی الوہیت کی نفی اور ان کی عبادت کی مذمت وممانعت کی قطعی دلیلیں ہیں اور بے شک عقیدہ توحید اصل دین ہے لیکن...... '' (البیان ص:۱۰)

ملتانی صاحب نے ''لیکن'' کے بعد جو لکھا وہ بھی ہم نقل کریں گے۔ ان شاء اللہ مگر پہلے یہ عرض کر دیا جاتا ہے کہ درج بالا اقتباس میں جناب نے صاف اور صریح الفاظ میں اس

حقیقت کا اعتراف کر دیا کہ ''من دون اللہ'' یا ''غیر اللہ'' یا ''ماسوی اللہ'' یعنی اللہ کے علاوہ کے عبادت کی ممانعت و مذمت پر مبنی جتنی آیات ہیں وہ یقیناً تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی الوہیت وعبادت کی مذمت وممانعت کی قطعی دلیلیں ہیں۔

سیالوی صاحب سے سوال یہ ہے کہ ان کے نزدیک تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام تو ''من دون اللہ'' میں داخل وشامل ہے۔ پھر کاظمی صاحب نے ایسا کیوں کہا؟ الغرض کہ کاظمی صاحب کا یہ کہنا واضح کرنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کو ''من دون اللہ'' نہ سمجھنا قطعاً و یقیناً غلط ہے۔ اب کاظمی ملتانی صاحب کی مزید سنیں، لکھا ہے:

> ''لیکن انہیں ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' اور ''مِنْ دُوْنِہٖ'' کے مفہوم میں اس اعتبار سے شامل کرنا کہ وہ مطلقاً کسی تصرف یا حکم کے اہل نہیں، خواہ ان کا وہ تصرف اور وہ حکم باذن اللہ ہی کیوں نہ ہو، نصوصِ قرآنیہ کے خلاف ہے بلکہ اس اعتبار سے غیر اللہ کے کسی فرد کو بھی ان آیات کے مفہوم میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔'' (البیان ص:۱۰)

اس بات سے تو کاظمی صاحب بھی انکار نہ کر سکے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء ''من دون اللہ'' میں شامل نہیں یا اللہ کے علاوہ، غیر اللہ نہیں اور کوئی بھی عقل مند ومنصف مزاج فرد اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اب قرآن مجید یا نصوص سنت میں جن باتوں کا اثبات ہے اس حد تک اسے تسلیم کرنا فرض ولازم ہے۔ اسی طرح قرآن مجید واحادیث مبارکہ میں ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' کے بارے میں جن چیزوں کی نفی ہے ان تمام کی نفی کا عقیدہ رکھنا بھی فرض ولازم ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب الوہیت وعبادت کی نفی کا معاملہ ہو تو ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' کے تمام افراد حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اس میں شامل وداخل سمجھا جائے، لیکن جب دعائیں قبول کرنے، فریاد سننے، مشکل کشائی وحاجت روائی کی نفی ہو تو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اولیاء کرام کو بھی ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' میں داخل وشامل نہ سمجھا جائے۔ آخر اس فرق کی وجہ اور دلیل کیا ہے؟

خود اللہ رب العالمین کے نازل فرمودہ (خواہ وہ قرآن کی شکل میں ہو یا احادیث کی شکل

میں) دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی پوجا پاٹ و پرستش میں مبتلا ہونے والے اوران سے اسباب سے ہٹ کر مشکل کشائی چاہنے والوں نے محض خیالی بتوں ہی کی پوجا پاٹ نہیں کی بلکہ مقربانِ الٰہی کی مرضی وتعلیمات کے خلاف ان کی پرستش کرنے لگے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں نیک لوگوں کے استثناء کے بجائے ''مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ''''من دونه'' یا''غیر اللّٰہ'' جیسے عام الفاظ سے جمیع ماسوی اللہ کی نفی فرمادی۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝﴾

کاظمی ملتانی صاحب سے ہی ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے:

''آپ انہیں فرمائیں پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور نہ بدل دینے کا۔ وہ (نیک بندے) جنہیں کافر پوجتے ہیں خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اوراس کی رحمت کے امیدوار ہیں اوراس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔'' (بنی اسرائیل: ۵۶، ۵۷، البیان ص: ۴۶۰)

تیسرے سیالوی مغالطہ کے رد میں یہ آیات اور بریلوی مفسر سعیدی صاحب سے ان کی تفسیر ہم نقل کر آئے ہیں، اب پیر آف بھیرہ محمد کرم شاہ ازہری صاحب سے اس کی تفسیر ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے:

''مطلب یہ ہے کہ مشرکین جن کو خدا بنائے ہوئے ہیں اور جن کو اپنی تکالیف و مصائب میں پکارتے ہیں یہ خدا نہیں بلکہ وہ تو خود ہر لمحہ، ہر لحظہ اپنے ربِ کریم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ اگر واقعی وہ خدا

ہوتے جیسے مشرکین کا خیال ہے تو پھر انہیں کسی کی عبادت اور رضا جوئی کی کیا ضرورت تھی۔'' (ضیاء القرآن ۲/ ۱۳۳۹)

اب ان آیات پر غور کیجئے، ان آیات میں بت، ستارے، سیارے اور شیاطین کی عبادت اور انہیں مشکل کشا و فریاد رَسا سمجھنے کا تذکرہ نہیں بلکہ نیک صالح اور پارسا لوگوں کو پکارنے کا ذکر ہے۔ جنھیں وہ مشرک مشکل کشا، حاجت روا، بگڑیاں بنانے والے اور بیڑے تارنے والے سمجھ بیٹھے ہیں، بلاشبہ وہ اللہ کے پیارے اور محبوب بندے تھے، جیسا کہ قرآن نے گواہی دی۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اپنا حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہوا نہیں پکارو ﴿فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ﴾ وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، تکلیف ٹالنا تو دور وہ اس تکلیف کو پھیر بھی نہیں سکتے۔ پھر آگے، ان کی نیکی تقویٰ، عبادت، خوف وخشیت کے افعالِ محمودہ کا تذکرہ بھی فرمایا۔

جب معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے تصرف واختیار کی نفی فرما کر انہیں پکارنے کی مذمت بیان کی اور جمیع ''من دونہ'' سے نفی کی تو قرآنی تعلیمات کو نظر انداز کر کے کاظمی ملتانی خود ساختہ تاویل کس طرح اور کیوں اپنائی جائے؟ المختصر: کاظمی صاحب کا تصرف واختیار کے معاملہ میں یہ کہنا کہ ''اس اعتبار سے غیر اللہ کے کسی فرد کو بھی ان آیات کے مفہوم میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔'' غلط اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔

کاظمی صاحب نے بزعم خود دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا:

''ایسی تمام آیات میں ''من دون اللہ'' سے ''بغیر اذن اللہ'' مراد ہے۔ مثلاً آیت: ﴿وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ میں ''من دون اللہ'' کے تحت تفسیر مظہری میں فرمایا: ''أي بغير اِذْنٍ مِّنَ اللّٰه'' یعنی اللہ کی جانب سے اذن کے بغیر (ج ۲ ص: ٦٣) یعنی کسی کو ذاتی تصرف یا ذاتی حکم کا اہل ماننا اور بغیر اِذنِ الٰہی کے اُس کے حکم کو واجب العمل قرار دینا، گویا اُسے اپنا رب بنالینا۔'' (البیان ص: ١٠)

اس تاویل سے بھی بریلویہ کی مشکل آسان نہیں ہوتی، چونکہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں کہیں بھی غیر اللہ سے دعا مانگنے کا حکم و اذن نہیں، بلکہ اللہ ہی سے دعا مانگنے کا حکم ہے۔ اگر بات ذاتی وعطائی کی ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آیات یا احادیث پیش کی جائیں جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہو کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کرام عطائی طور پر دعا اور فریاد قبول کر سکتے ہیں، لہٰذا ان سے دعائیں مانگی جائیں انہیں پکارا جائے۔ اگر آیت یا حدیث نہیں ملتی اور یقیناً نہیں ملتی تو اللہ کی جانب سے اذن کا ثبوت نہیں۔

مزید مثال نقل کرتے ہوئے کاظمی صاحب نے لکھا:

''اور کسی حکم یا تصرف باذن اللہ ہو تو وہ ''من دون اللہ'' کے مفہوم میں شامل نہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ قرآن مجید میں وارد ہے:

﴿اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾

''کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے جیسی صورت بناتا ہوں پھر میں اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اڑنے والی ہو جاتی ہے باذن اللہ، یعنی اللہ کے حکم سے اور میں شفایاب کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور برص والے کو اور میں جلاتا ہوں مردے باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے۔'' (آل عمران آیت:۴۹)

معلوم ہوا اپنی طرف سے تصرف کرنے یا ذاتی حکم کا کوئی اہل نہیں بلکہ بغیر اذن اللہ ایک تنکا بھی متحرک نہیں ہو سکتا اور ''باذن اللہ'' اللہ کے محبوبوں کے تصرف سے بے جان جسم میں جان بھی پڑ سکتی ہے اور اذن الٰہی سے وہ مردوں کو بھی جلا سکتے ہیں۔'' (البیان ص:۱۰، ۱۱)

تعجب ہے ان کے ''غزالی زمان'' و ''امام اہلسنّت'' کہاں کی بات کہاں جوڑ بیٹھے! آیت جو پیش کی اُس میں سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے، جیسا کہ اس آیت کے آغاز میں اس کی صراحت ہے۔ لیکن سیالوی صاحب کی طرح کاظمی صاحب نے بھی آیت کے

اُس حصہ کو پیش کرنا مناسب نہ سمجھا کہ اس طرح بات بنانا کچھ مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام کے اس ''مقولہ'' میں سب سے پہلے اس بات کی صراحت ہے کہ ﴿ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔''

اور ہم عرض کر آئے ہیں کہ ''نشانی'' معجزہ ہے، جو اللہ کا فعل ہے اور کسی نبی علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ اسے اُس نبی علیہ السلام کا تصرف قرار دینا نصاریٰ کے اس ذہن کی غمازی ہے کہ معجزات کے خالق عیسیٰ علیہ السلام تھے (نعوذ باللہ) پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت میں خاص سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے، لیکن بریلویہ کے ''رازی دوران و امام اہلسنّت'' اپنی منطق کی کھینچا تانی سے اسے عام کرتے ہوئے لکھ گئے کہ ''معلوم ہوا...... اللہ کے محبوبوں کے تصرف سے بے جان جسم میں جان پڑ سکتی ہے۔'' یقیناً یہ نظریۂ ضرورت کارفرمائی ہے، چونکہ ان کا یہی عقیدہ ہے تو اس کے ثبوت کے لیے سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ والی آیت نقل کر کے ''محبوبوں'' کا استدلال کر دیا، تاکہ اپنے اس عقیدہ کا ثبوت بنائیں کہ اولیاء کرام بھی بیماری سے شفا دے سکتے ہیں، اندھوں کو انکھیارا کر سکتے ہیں۔ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں باذن اللہ، مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مزید تفصیل کے لیے سیالوی صاحب کا مغالطہ اور اس کا جواب دیکھ لیجیے۔

کاظمی صاحب نے مزید لکھا:

> ''یعنی ''من دون اللہ'' کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور ''باذن اللہ'' بندہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے جس کے ساتھ اللہ کا اذن متعلق ہو جائے۔'' (البیان ص:۱۱)

گویا اللہ تعالیٰ نے ''من دون اللہ'' یعنی اللہ کے علاوہ فرما کر تمام لوگوں کے جن جن قوتوں کی نفی فرمائی۔ کاظمی صاحب نے اپنی اس منطق سے اُن تمام کا اثبات کر دیا۔ اگر ان کی یہ تاویل باطل نہیں تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نفی کیوں فرمائی جبکہ ''من دون اللہ'' کہنے سے جمیع ماسوی اللہ کی نفی ہوتی ہے۔

پھر کاظمی صاحب نے یہ بھی کہا کہ ''باذن اللہ بندہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے جس کے

ساتھ اللہ کا اذن متعلق ہوجائے'' آیئے دیکھتے ہیں جسے یہ لوگ ''ولی'' قرار دیتے ہیں وہ کیا کچھ کرسکتا ہے؟ قارئین کرام آپ نے بھی ایسے کئی ایک قصے سنے ہوں گے، ان قصوں کا بیان تو کافی طوالت کا باعث بنے گا۔ ان کے ایک ''علامہ ومفتی'' محمد اکمل عطا قادری عطاری صاحب نے ''انبیاء واولیاء سے مدد طلب کرنے کے بارے میں'' بزعم خود دلائل دیتے ہوئے ایک کتاب لکھی ہے ''غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟'' یہ کتاب ''مکتبہ اعلیٰ حضرت، سرائے مغل جنازہ گاہ مزنگ لاہور'' سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے صفحہ ۵۰ پر ایک ہائیڈنگ دی گئی ہے ''اولیاء کرام کے مدد فرمانے کے واقعات'' پھر مختلف عنوانات قائم کیے ہر عنوان کے تحت مدد کا قصہ بھی نقل کیا، اس کے عنوانات سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ اپنے اولیاء کے لیے کسی تصرف کے قائل ہیں، چند عنوانات ملاحظہ کیجیے:

(۱) ''گمشدہ اونٹ واپس دلوادیے:'' (ص: ۵۰)، (۲) ''منہ مانگی نعمتیں عطا فرمادی'' (ص: ۵۱)، (۳) ''دریا کو بڑھنے سے روک دیا'' (ص: ۵۸)، (۴) ''شفا عطا فرمادی'' (ص: ۶۱)، (۵) ''آنکھ ٹھیک کردی'' (ص: ۶۳)، (۶) ''فالج زدہ کو ٹھیک کردیا'' (ص: ۶۶)، (۷) ''بیٹا عطا فرمادیا'' (ص: ۷۲)، (۸) ''اللہ کے حکم سے موت کو ٹال دیا'' (ص: ۸۱)، (۹) ''لاٹھی کو انسان بنادیا'' (ص: ۸۲)، (۱۰) ''بیمار کو تندرست کردیا'' (ص: ۹۳)

کاظمی صاحب کے معتقدین بتائیں کہ اولیاء کے ان تصرفات کا اللہ کے اذن سے ہوجانے کی دلیل کیا ہے، قرآن وحدیث کی کون سی نص ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کرام ان تمام تصرفات پر ''باذن اللہ'' یا ''اللہ کی عطا'' سے عطائی قدرت رکھتے ہیں؟

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور اسی طرح احادیث میں جہاں کہیں ''من دون اللہ'' کے الفاظ وارد ہوئے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد ''من دونہ'' کے الفاظ آئے وہاں ان الفاظ سے ہر وہ ذات مراد ہے جو اللہ کے علاوہ ہے۔ اولیاء اور محبوبانِ الٰہی کو ان سے خارج قرار دینا درست نہیں۔ سردست اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ بشرط زندگی کسی دوسری فرصت میں طاہر القادری صاحب کے دلائل کا جائزہ لیں گے، وباللہ التوفیق

حبیب الرحمٰن ہزاروی

پردے کے تین اوقات میں کسی کے گھر جانا؟

شریعت اسلامیہ میں زندگی گزارنے کے بہترین آداب موجود ہیں حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس اُس کے گھر جانا ہے تو اس کے بھی آداب بتائے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ النور (۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے: جب تم اپنے گھروں کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں جاؤ تو اجازت طلب کرو، سلام کرو۔

اجازت تین مرتبہ طلب کرنی چاہیے، اگر پہلی دفعہ اجازت نہ ملے تو دوسری مرتبہ طلب کرنی چاہیے اور اگر تیسری مرتبہ بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری (۲۰۶۲)، صحیح مسلم (۲۱۵۳) میں مذکور ہے۔

پیارے نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ادب سکھایا کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو دروازے یا دیوار وغیرہ سے جھانک کر نہ دیکھو۔

یہ حکم اتنا مؤکد ہے کہ اگر کوئی جھانک کر دیکھے، تو اہل خانہ میں سے کوئی اُس کی آنکھ پھوڑ دے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص تمھاری اجازت کے بغیر تمہیں جھانک کر دیکھے تو تم اسے کنکری مار دو جس سے اگر اس کی آنکھ (بھی) پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری: ۶۹۰۲)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے حجرے میں جھانکنے لگا تو آپ ﷺ تیر کا پھل لے کر اُٹھے اور چاہتے تھے کہ خاموشی سے اسے مار دیں۔ (صحیح بخاری: ۶۹۰۰)

اجازت اسی لیے ہے کہ اندر جھانک کر نہ دیکھا جائے۔

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے

دروازے کے ایک سوراخ سے اندر جھانکنے لگا، اس وقت آپ ﷺ کے پاس لوہے کا کنگھا تھا جس سے آپ سر جھاڑ رہے تھے۔ جب آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو میں اسے تمہاری آنکھ میں چبھو دیتا۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اجازت لینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی لیے ہے کہ نظر نہ پڑے۔''

(صحیح بخاری:۶۹۰۱)

ایسے ہی ایک خاص حکم ہمیں یہ بھی دیا کہ تین اوقات میں تمہارے بچے، غلام اور لونڈیاں بھی اجازت لے کر گھر میں داخل ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾﴾

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! تمہارے مملوک اور تم میں سے جو (حدِّ) بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں، تین وقتوں میں (تمہارے پاس آنے کی) تم سے اجازت لیا کریں، (یعنی) فجر کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کو جب کہ تم (آرام کی غرض سے اپنے بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے (وقت) ہیں۔ ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے نہ ان پر (کیونکہ وہ اکثر تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، کوئی کسی کے پاس یا کوئی کسی کے پاس۔ اس طرح اللہ (اپنے) احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' (سورۃ النور:۵۸ ترجمہ الکتاب ص ۲۱۶)

جمہور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت مردوں وعورتوں دونوں کو شامل ہے۔

امام قرطبی (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ص ۳۰۳) اور امام ابن جریر طبری نے (جامع عن تاویل القرآن ج ۸ص ۴۵۳) میں صراحت کی ہے اور یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔

امام شعبی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس نے کہا لوگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرنی چاہیے۔ (الطبری ج ۸ص ۴۵۳ وسندہ صحیح)

اس آیت کے منسوخ نہ ہونے کی صراحت قرطبی (الجامع لاحکام القران ج ۱۲ص ۳۰۳) ابن کثیر (تفسیر القران العظیم ج ۴ص ۵۷۲) اور ابن جوزی (زادالمسیر ج ۶ص ۶۲) نے بھی کی ہے۔

لیکن اکثر لوگ اس پر عمل کرنے سے غافل ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس آیت پر عمل کے ترک کی ایک بڑی وجہ مال داری اور فراخی ہے۔ پہلے تو لوگوں کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے دروازوں پر پردے لٹکا لیتے یا کشادہ گھر کئی الگ الگ کمروں والے ہوتے تو بسا اوقات لونڈی غلام بے خبری میں چلے آتے اور میاں بیوی مشغول ہوتے تو آنے والے بھی شرما جاتے اور گھر والوں پر بھی شاق گزرتا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کشادگی دی کمرے جداگانا بن گئے، دروازے باقاعدہ لگ گئے۔ دروازوں پر پردے لگ گئے، تو محفوظ ہوگئے۔ حکم الٰہی کی مصلحت پوری ہوگئی، اسی لئے اجازت کی پابندی اٹھ گئی اور لوگوں نے اس میں سستی اور غفلت شروع کردی۔ (ابوداؤد: ۵۱۹۲ حسن)

لہٰذا ہمیں اس معاملے میں خود بھی سستی وکوتاہی ترک کرنی چاہیے اور اپنی اولاد کی بھی تربیت کرنی چاہیے اور اُن کو دین کے بنیادی احکام سکھانے چاہئیں۔

وما علینا إلا البلاغ

محمد ارشد کمال

حفاظتِ حدیث کا وعدہ الٰہی

(قسط:۱)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ ﴾ (٦/ الانعام : ١٠٦)

''آپ کے رب کی جانب سے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے آپ اس کی پیروی کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے اعراض کریں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَ اصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰہُ ۚۖ وَ ہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ﴾ (١٠/ یونس : ١٠٩)

''اور آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کریں اور صبر کریں، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمادے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔''

اسی طرح ایک اور جگہ ہے:

﴿ وَّ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾ ﴾

(٣٣/ الاحزاب : ٢)

''اور آپ کے رب کی جانب سے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے، آپ اس کی پیروی کریں۔ بے شک جو بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

قرآن مجید کی ان تینوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کی طرف نازل ہونے والی وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور یہی حکم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو بھی دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ ﴾ (۷/ الاعراف : ۳)

''جوتمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرواور اسے چھوڑ کر دوستوں کی پیروی مت کروتم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔''

اس آیت میں امت محمدیہ کو وحی الٰہی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ الغرض ان جملہ آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ پیغمبر علیہ السلام کو اور آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

وحی کیا ہے؟

شرعی اصطلاح میں وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے منتخب انبیاء کرام علیہم السلام کو اخبار واحکام سے خفیہ طور پر مطلع کرنا ہے جس سے انہیں قطعی اور یقینی علم ہو جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف دو طرح کی وحی بھیجی گئی ہے ایک وہ جو کتاب کی صورت میں تھی اور دوسری وہ جو کتاب کے علاوہ تھی جسے حکمت اور حدیث کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝۵۴ ﴾

(٤/ النساء : ٥٤)

''پس بے شک ہم نے ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی اور انہیں عظیم بادشاہت سے نوازا۔''

جدالانبیاء سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کا سلسلہ آپ کی نسل میں رکھ دیا، آپ کے بعد جتنے بھی نبی اور رسول دنیا میں تشریف لائے وہ آپ ہی کی آل میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور بعض کے حصے میں یہ دونوں چیزیں (کتاب وحکمت) آئیں جیسے داؤد، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام ہیں اور بعض کو صرف حکمت ملی جیسے اسحاق، یعقوب وغیرہ ہیں۔

سورہ النساء (آیت: ۱۶۳) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

﴿ اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِيۡسٰى وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۚ﴾

(٤/ النساء : ١٦٣)

''بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح ہم نے نوح اوران کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اوران کی اولاداورعیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اورسلیمان کی طرف بھی وحی بھیجی اورداؤدکوہم نے زبورعطافرمائی۔''

ایک عام مسلمان بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ سیّدنا نوح، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ایوب، یونس، ہارون اورسلیمان علیہم السلام کی طرف جووحی بھیجی گئی تھی وہ کتاب کی صورت میں نہ تھی بلکہ کتاب کے علاوہ ایک دوسری وحی تھی جسے ہم حکمت اور حدیث کہہ سکتے ہیں، بلکہ پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے جوفکری جنگ لڑی تھی وہ بھی وحی کی اسی دوسری قسم حدیث کے ذریعے سے لڑی تھی کیونکہ کتاب تورات فرعون کی غرقابی کے بعد نازل ہوئی۔فرعون نے جس وحی کا انکار کیا تھا اورجس کے انکار پراسے پانی میں غرق کیا گیا، وہ وحی کی یہی دوسری قسم تھی جسے حدیث کہا جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۘ﴾ (٢٠/ طٰهٰ : ٩)

''اورکیا آپ کے پاس حدیثِ موسیٰ پہنچی ہے۔''

سوچنے کی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی حدیث کامنکرعذاب الٰہی میں گرفتارہوجائے اور محمدرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کامنکرعذاب سے بچ جائے؟ ہرگزنہیں۔

بہرحال پتاچلاکہ جس طرح انبیاء سابقین کی طرف وحی آئی ہےاسی طرح آخری نبی سیدنا ومولانا جناب محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی وحی آئی، چنانچہ آپ کی طرف نازل ہونے والی وحی دوطرح کی تھی: ایک کانام کتاب ہے،یعنی قرآن مجیداوردوسری کانام حکمت

ہے جواسی کتاب کا بیان، شرح اور تفسیر ہے یعنی حدیث شریف، یہ دونوں چیزیں کتاب اور حکمت منزل من اللہ ہیں، وحی الٰہی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴾ (٤/ النساء : ١١٣)

''اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں بہت واضح بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر دو چیزیں نازل فرمائی ہیں، ایک کتاب ہے اور دوسری حکمت ہے، کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد آپ کی سنت اور حدیث ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة فسمعت من ارضى من أهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة سنة رسول الله، وهذا يشبه ما قال" والله أعلم . لأن القرآن ذكر واتبعته الحكمة، وذكر الله منه على خلقه بتعليمهم الكتاب والحكمة فلم يجز۔ والله أعلم أن يقال: الحكمة هاهنا إلا سنة رسول الله"

''پس اللہ نے کتاب کا ذکر کیا اور وہ قرآن ہے اور اس نے حکمت کا ذکر کیا، میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جنہیں میں پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور یہ تفسیر (فرمانِ الٰہی) سے زیادہ مشابہ ہے، واللہ اعلم، کیونکہ قرآن مجید کے ذکر کے بعد حکمت کا ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذریعے سے اپنی مخلوق پر احسان بیان فرما رہا ہے، لہٰذا یہاں سنت رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی چیز کو حکمت کہنا جائز نہیں، واللہ

اعلم۔"(الرسالة، ص: ١١١)

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واذكرن ما يقرا فی بيوتكن من آيات كتاب اللّٰه والحكمة ويعنی بالحكمة ما أوحى إلى رسول اللّٰه ﷺ من أحكام دين اللّٰه ولم ينزل به قرآن وذلك السنة" (جامع البيان: ٩/ ٢٣٦)

"اور حکمت اور کتاب الٰہی کی آیات میں سے جو تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے اسے یاد کرو۔ اور حکمت سے مراد وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف اللہ کے دین کے احکام کی وحی فرمائی گئی اور جن کے متعلق قرآن نہیں اترا اور یہ سنت ہی ہے۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ويعلمهم الكتاب والحكمة، يعنى القرآن والسنة"

(تفسير القرآن العظيم: ٢/ ٢٤١)

"اور وہ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، یعنی قرآن اور سنت کی۔"

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن اللّٰه سبحانه تعالىٰ أنزل على رسوله وحيين واوجب على عباده الايمان بهما والعمل بما فيهما وهما الكتاب والحكمة وقال تعالىٰ: ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ وقال تعالىٰ: ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ وقال تعالىٰ: ﴿وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾ والكتاب هو القرآن والحكمة هى السنة باتفاق السلف" (كتاب الروح، ص: ٩٦)

"بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول پر دو طرح کی وحی اتاری اور اس

نے اپنے بندوں پران دونوں (وحیوں) پرایمان لانا اوران پر عمل کرنا واجب کردیا اور وہ کتاب اور حکمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری۔'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے: ''وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جوان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اوران کا تذکیہ کرتا ہے اورانہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور کتاب اور حکمت میں سے جو کچھ تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے، اسے یادکرو۔'' کتاب قرآن مجید ہے اور حکمت باتفاقِ سلف سنت ہے۔''

معلوم ہوا کہ کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد سنت اور حدیث ہے، ہمارا ایمان ہے کہ یہ دونوں وحی ہیں، دونوں منزل من اللہ ہیں اور دونوں کی اتباع ضروری ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کے انکار سے دوسری وحی کا انکار لازم آتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کتاب یعنی قرآن پر تو ایمان کا دعویٰ کرے لیکن حکمت یعنی حدیث کا انکار کرے تو حقیقت میں وہ دونوں کا منکر ہے، اس کا ان میں سے کسی پر بھی ایمان نہیں، وہ قرآن کا بھی منکر ہے اور حدیث کا بھی منکر ہے، اور اسی طرح اگر کوئی حدیث پر ایمان کا دعویٰ کرے مگر قرآن کا انکار کرے تو وہ بھی دونوں کا منکر ہے، اصل میں نہ وہ حدیث کو مان رہا ہے اور نہ قرآن کو مان رہا ہے، پس یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔''

اعتراض: ...... منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد بھی قرآن مجید ہی ہے کیونکہ قرآن خود اپنے آپ کو حکیم کہتا ہے، لہٰذا حکمت سے مراد قرآن حکیم ہے اور کتاب وحکمت کے درمیان آنے والی واو عاطفہ نہیں بلکہ تفسیری ہے۔

جواب: ...... منکرین حدیث کا یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ حق بات یہی ہے کہ واو عاطفہ ہے، قرآن مجید میں کتاب اور حکمت کے درمیان بار بار یہ واو آئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عاطفہ ہے کیونکہ اگر واو تفسیری ہوتی تو اس کے بار بار آنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک

بار ہی وضاحت کر دینا کافی تھا، علاوہ ازیں علماء کی ایک جماعت اسے عاطفہ ہی قرار دیتی ہے، مزید برآں تفسیر کی ضرورت تو انسانوں کو ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو تفسیر کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو خود متکلم کے ہر لفظ کے مفہوم و منشاء کو بخوبی جانتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت:۱۲۹) پر غور کریں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ﴾

''اے ہمارے رب! اور تو ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔''

یہاں کسی بھی صورت واؤ کو تفسیری نہیں کہا جا سکتا ہے، کیونکہ تفسیر کی ضرورت تو انسانوں کو ہوتی ہے، خالق کائنات کو تفسیر کی ضرورت نہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رقمطراز ہیں:

''یہ بات لغت اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔ لغت کے خلاف اس لیے کہ واؤ تفسیری ہمیشہ مترادف الفاظ کے درمیان آتی ہے جیسے رنج والم یا مسرت انبساط، لیکن کتاب اور حکمت مترادف الفاظ نہیں ہیں، حکمت کا لفظ بولنے سے کسی کا ذہن قرآن کریم یا کتاب کی طرف منتقل نہیں ہوتا، اسی طرح کتاب کا لفظ بولنے سے بھی حکمت کا مفہوم ذہن میں نہیں آتا، لہٰذا کتاب وحکمت کے درمیان واؤ کو تفسیری قرار دینا درست نہیں اور عقل کے خلاف اس لیے ہے کہ اگر قرآن نے اپنے آپ کو حکیم کہا ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ قرآن سے باہر حکمت کا کہیں وجود نہیں پایا جاتا، قرآن تو اپنے آپ کو کریم بھی کہتا ہے تو کیا کرم اور کریم کا قرآن کے علاوہ کہیں وجود نہیں؟ ایک عام فہم مثال سے یوں سمجھیے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ چینی میٹھی ہوتی ہے تو اس سے یہ کیونکہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مٹھاس کا وجود چینی کے علاوہ اور کسی چیز میں نہیں پایا جاتا یا چینی کے علاوہ اور کوئی چیز میٹھی نہیں ہو سکتی۔'' (آئینہ پرویزیت، ص:۵۵۰)

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی تحقیق کا عظیم شاہکار

للإمام الحافظ محمد بن عثمان بن أبي شيبة

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

MONTHLY ISHA'AT **AlHadith** HAZRO

- قرآن وحدیث اوراجماع کی برتری
- دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- صحیح وحسن احادیث سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب
- اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
- مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین و بادلائل رد
- اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- قرآن وحدیث کے ذریعے سے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ رائے اور مفید مشورے کا قدر وتشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔

ishaatulhadith@gmail.com
ishaatulhadith.com
ishaatulhadith